اگست ۸۲ء

وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ

ماهنامه

میثاق

لاهور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

مقام اشاعت :- ۳۶-کے- ماڈل ٹاؤن - لاهور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رلفریجریٹرز، ایرکنڈیشنز اور فریزرز میں سب سے بہتر

سانیو

SANYO

خریدئیے

نوفراسٹ ریفریجریٹرز

اب پاکستان میں تیار/اسمبل کئے جاتے ہیں
• ۱ مختلف سائزیں۔ دلکش رنگوں میں حفاظتی
تالے کے ساتھ۔ اشیاء کے ذخیرہ کرنے کی زیادہ گنجائش۔
بازار جانے کی کم زحمت۔ مکمل کارکردگی۔ آزمودہ ریفریجریٹرز
بڑے قدوقامت کے ۳ دروازے والے فیملی ماڈلز سے لیکر
مجرد اشخاص کے لئے چھوٹے ماڈلز تک دستیاب

بے آواز

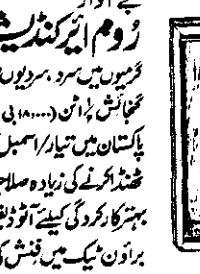

رُوم ایرکنڈیشنز

گرمیوں میں سرد۔ سردیوں میں گرم ہوا
گنجائش ۱½ ٹن (۱۸,۰۰۰ بی ٹی یو/ایچ)
پاکستان میں تیار/اسمبل کردہ
ٹھنڈا کرنے کی زیادہ صلاحیت بجلی کا کم خرچ
بہتر کارکردگی کیلئے آٹو ڈیفلیکٹر سے آراستہ
براؤن ٹیک میں فنش کی ہوئی جالی۔

اِسپلٹ ٹائپ ایرکنڈیشنز

نیا روٹری کمپریسر آواز ارتعاش اور بجلی کا خرچ کم کرنے کیلئے۔
دیوار پر نصب کیا جانیوالا ڈیزائن کمرے میں قابل استعمال جگہ بچاتا ہے
۴۔ گھنٹہ کا وقتی سوئچ۔
آئی سی تھرموسٹیٹ صحیح ٹمپریچر برقرار رکھنے کے لئے
۳۔ اسپیڈ فین آپریشن سلیکٹر

دیوار فرش اور سیلنگ میں نصب کئے جانے کے قابل
ٹھنڈا کرنے کی صلاحیت ۱۵۰۰۰ تا ۳۵۷۰۰ بی ٹی یو

کرم فرما خصوصی توجہ فرمائیں:
متذکرہ مصنوعات خریدتے وقت ورلڈ وائیڈ کمپنی کی جاری کردہ پانچ سالہ گارنٹی ضرور حاصل کریں تاکہ سروس بعد از فروخت کی منفعت سہولت سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

پاکستان میں سانیو کی تمام مصنوعات کے سول ایجنٹس:

ورلڈ وائیڈ ٹریڈنگ کمپنی

سانیو سینٹر شوروم اور سروس سینٹر۔ گارڈن روڈ۔ صدر کراچی
فون: ۷۷۳۶۴ - ۷۴۷۴۹ - ۷۴۷۰۰
پاکستان: کیبل "WORLDBEST" ٹیلکس 25109 WWTCO PK

786 WW 67/82

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

کا جولائی/اگست ۸۲ء کا مشترک شمارہ شائع ہو گیا ہے جس میں

دعوتِ

رجوع الی القرآن

کا منظر و پس منظر

کے موضوع پر

ڈاکٹر اسرار احمد

کی ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۵ء کی متعدد تحریریں یکجا شائع ہوئی ہیں

عنوانات:

★ قرآن قرنِ اوّل میں اور اُس کے بعد

★ اسلام برصغیر ہند و پاک میں

- ورودِ اوّل ——— سندھ میں
- ورودِ ثانی ——— شمال مغرب سے

- ہندوستان میں مسلمانوں کے عروج لیکن اسلام کے زوال کی انتہا : اکبر اعظم علیہ ما علیہ
- الفِ ثانی کا تجدیدی کارنامہ :
  - ——— شیخ احمد سرہندیؒ
  - ——— شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
  - ——— امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ

★ تحریکِ رجوع الی القرآن

- خانوادۂ ولی اللہیؒ اور تحریکِ شہیدینؒ
- عیسائیوں اور ہندوؤں کی جانب سے تبلیغی یلغار
- سرسید احمد خاں مرحوم اور آنجہانی غلام احمد قادیانی
- شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ
- ڈاکٹر سر محمد اقبال اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین
- مولانا ابوالکلام آزاد اور سید ابوالاعلیٰ مودودی
- امام حمید الدین فراہیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحی

★ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا موسس اور

- اس کے فہم قرآن کے ابعادِ اربعہ
- اُن سلاسل اربعہ کے اعاظم رجال سے اُس کے روابط — اور
- وہ اہم شخصیتوں سے وصل و فصل کی داستان

★ ضمیمہ: شاہ ولی اللہ دہلوی کی قرآنی خدمات

صفحات ۸۰، آفسٹ پیپر، دبیز کور ——— فی پرچہ -/۴ (محصول ڈاک علاوہ)

سالانہ زرتعاون -/۲۰ روپے

مرکزی مکتبہ انجمن خدام القرآن لاہور، ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۱۴

وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ

ماہنامہ **میثاق** لاہور

جلد: ۳۱ { شوال المکرم ۱۴۰۲ھ بمطابق اگست ۱۹۸۲ء } شمارہ: ۸

مشمولات

- عرضِ احوال — جمیل الرحمٰن — ۴
- بحث و نظر:
  تصویر اور حجاب کے اسلامی احکام اور ٹیلیویژن — ڈاکٹر اسرار احمد — ۱۲
- اللہ تعالیٰ کا نبی اکرمؐ سے خصوصی خطاب
  (سورۃ حجر کی آخری پندرہ آیات کی روشنی میں) — ڈاکٹر اسرار احمد — ۱۷
- سلسلۂ تقاریر رسولِ کاملؐ (۹)
  انقلاب دشمن طاقتوں کا خاتمہ: خلافتِ صدیقی — ڈاکٹر اسرار احمد — ۴۵
- حُسنِ انتخاب:
  مسئلہ خواتین اور ارکابِ کار — مولانا امین احسن اصلاحی — ۵۳
- امیر تنظیم اسلامی کا اختتامی خطاب
  (بموقع ساتویں سالانہ اجتماع) — (ادارہ) — ۵۷
- بلتستان میں دس دن (رپورتاژ) — خبیب عبدالقادر — ۶۵
- "کہ رہوارِ یقین ما بہ صحرائے گماں گم شد" — پروفیسر مرزا محمد منور — ۷۵

ادارہ تحریر: شیخ جمیل الرحمٰن ۔ حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون: ۳۰/=

ناشر: ڈاکٹر اسرار احمد، طابع: چودھری رشید احمد
مطبع: مکتبہ جدید، شارع فاطمہ جناح - لاہور

قیمت فی شمارہ ۳/=

جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ!

شوال المکرم ۱۴۰۲ھ مطابق اگست ۱۹۸۲ء کا شمارہ پیشِ خدمت ہے۔ ہمارے دین میں خوشی کی دو ہی تقاریب مقرر ہیں، ایک عید الفطر اور دوسری عید الاضحیٰ ـــــ پہلی تقریب کا تعلق روزے کی فرضی عبادت سے ہے اور دوسری کا تعلق فریضۂ حج کی ادائیگی سے ـــــ ان دونوں تقاریب کے مواقع پر مسلمانانِ عالم خوشیاں مناتے ہیں لیکن تقریباً پندرہ، سولہ سال سے یہ تقاریب اس حال میں آئی ہیں کہ بیت المقدس، جسے مسلمانوں کے قبلہ اول ہونیکا مقام حاصل ہے اور جو امتِ موسوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا سینکڑوں سال تک قبلہ رہا ہے۔ یہودیوں کے پنجۂ استبداد میں ہے۔ پھر یہ ہی نہیں بلکہ فلسطین کا تقریباً پورا علاقہ اور ارض شام و لبنان کا کافی علاقہ یہودیوں کے قبضہ میں ہے اور اس کے اصل باشندے خانہ بدوشوں کی طرح دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ لبنان میں بہت سے فلسطینیوں نے پناہ لے رکھی تھی جس کی پاداش میں یہودی سازشی ذہن نے لبنان کو پہلے خانہ جنگی کا ہدف بنایا اور اب حیلے بہانوں سے ان کی نام نہاد مملکت اسرائیل نے اس پر باقاعدہ چڑھائی کر رکھی ہے۔ اور زمین، فضا اور سمندری راستوں سے لبنان پر آگ و خون کی بارش برسا رہا ہے ـــــ بیروت جو نہ صرف مشرقِ وسطیٰ بلکہ ایشیاء کا خوبصورت ترین شہر تھا، آج خاک کا ڈھیر بن چکا ہے ـــــ اسرائیل کی بہیمانہ گولہ باری کی وجہ سے ہزاروں افراد ہلاک ہو چکے ہیں اور ہلاک ہونے والوں سے کہیں زیادہ تعداد میں زخمی ہو چکے ہیں اور ایسے لوگوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے جو اپنے زخموں کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے معذور ہو چکے ہیں ـــــ اخباری خبروں کے مطابق معلوم ہوا ہے کہ یہودیوں نے بچوں تک کو اپنے وحشیانہ مظالم کا نشانہ بنانے کے لئے لبنان میں جگہ جگہ ہوائی جہازوں کے ذریعے کھلونے نما بم پھیلا دیئے ہیں جنہیں بچے دیکھ کر اور کھلونے سمجھ کر ان کی طرف لپکتے ہیں، انہیں اٹھاتے ہیں اور ان کے ہاتھوں کے لمس سے یہ پھٹ جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں یہ بچے یا تو ہلاک ہو جاتے ہیں یا بری طرح زخمی ـــــ دوسری طرف ہمارے پڑوسی ملک افغانستان میں روسی سامراج کی وحشیانہ کارروائیاں جاری ہیں، وہاں بے شمار بستیاں تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔ لاکھوں مسلمان اس بربریت کا شکار ہو کر ہلاک ہو چکے ہیں اور لاکھوں

اپنے گھر چھوڑ کر قریبی مسلم ممالک، پاکستان و ایران میں پناہ لینے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ ہمارے ملک پاکستان میں ان پناہ گزینوں کی تعداد اخباری تعداد کے اعتبار سے اٹھائیس لاکھ سے بھی تجاوز کر چکی ہے ـــــ ان دونوں المناک صورت حال میں دنیا کی دو سپر پاورز ملوث ہیں اور قرائن بتلاتے ہیں کہ ایک خاموش اور غیر تحریری معاہدہ ان طاقتوں میں اس طور پر ہو چکا ہے کہ مشرق وسطیٰ میں ایک طاقت اسرائیل کی پشت پناہی کرتے ہوئے مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں خاص طور پر فلسطینیوں کا نام و نشان مٹانا چاہتی ہے۔ دوسری طرف ایک طاقت ترکستان کی ریاستوں کی طرح افغانستان کی آزاد ریاست پر بھی اپنا پورا تسلط قائم کرنا چاہتی ہے۔ اور یہ دونوں سپر طاقتیں احتجاجی بیانات اور کچھ مادی امداد کے سوا ایک دوسرے کے خلاف کوئی مؤثر قدم اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ دنیا کے بہت سے ممالک میں سے کوئی نہ کوئی ان دو بڑی طاقتوں سے وابستہ ہے۔ رہے غیر جانبدار کہلانے والے ممالک تو ان میں سے بھی بہت سوں کے مفادات اور تعلقات ان ہی دو سپر قوتوں میں سے ایک سے متعلق ہیں۔ لہٰذا عالمی ضمیر ان مظالم پر کوئی مضبوط موقف اختیار کرنے سے پہلو تہی کر رہا ہے۔ جو چند ممالک واقعتاً اس صورت حال پر مضطرب ہیں اور اس کے خاتمے کے لئے بے چین ہیں مادی حیثیت سے وہ اس قابل نہیں ہیں کہ کوئی مؤثر اقدام کر سکیں ـــــ!

پھر تقریباً دو سال سے دو مسلم ملک، ایران و عراق، ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہیں اور اس مسلح تصادم اور جنگ کے نتیجے میں طرفین کے ہزاروں سے بھی متجاوز مسلمان ہلاک و زخمی ہو چکے ہیں اور کئی شہر اور علاقے تباہ و برباد ـــــ پھر اس جنگ کے نتیجے میں مالی حیثیت سے اربوں ڈالروں سے بھی زیادہ نقصان ہو چکا ہے اور دونوں ملکوں کی معیشت تباہ ہو چکی ہے۔

ظاہر احوال یہ تمام امور حالات حاضرہ سے متعلق معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ وہ شامت اعمال ہے جو ناخدا آشنا بالخصوص ان لوگوں پر مسلط ہوتی ہے جو پیغام ربانی کے حامل ہوتے ہیں، لیکن نہ خود اس کے مطابق عمل کرتے ہیں اور نہ دوسروں تک اس دعوت کو پہنچانے کا حق ادا کرتے ہیں۔ بفحوائے آیت قرآنی مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ:

ظاہر ہے کہ یہودیوں نے زبان سے کبھی بھی توراۃ کی تکذیب نہیں کی۔ یہاں تکذیب سے

مراد لازماً تکذیب عملی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی یہ سنّت ہے کہ جو حاملِ کتاب امّت تکذیبِ عملی کی مرتکب ہوتی ہے اسے دنیا میں بھی عذابِ الٰہی کا مزا چکھایا جاتا ہے اور ان پر نکبت و ذلّت اور مسکنت مسلّط کر دی جاتی ہے، جیسا کہ یہود کے معاملے میں ہوا۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ اور آخرت میں بھی ایسے لوگوں کو سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۶۵ کے مطابق "اشد العذاب" میں جھونک دیا جائے گا ــــــ اور جو معاملہ یہود کے ساتھ ہوا وہی معاملہ اس وقت امّتِ مسلمہ کے ساتھ ہو رہا ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا۔ بلکہ اس عذاب میں ایک نوعیت کی شدّت کی جھلک بھی پائی جاتی ہے اور اس کی وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ یہ آخری امّت ہے اور شہادت علی الناس کے فریضے کی انجام دہی پر یہ مامور ہے۔ لیکن یہ امّت بحیثیت مجموعی بالکل غافل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عذابِ الٰہی کے کوڑے مسلسل اس امّت کی پیٹھ پر برس رہے ہیں۔ اور عذاب کی ہر ممکنہ صورت کا مزا یہ امّت چکھ رہی ہے۔ کہیں غیروں، اور خصوصاً یہود جو کہ "مغضوب علیہم قوم ہے" کے ہاتھوں اس امّت کی پٹائی ہو رہی ہے تو کہیں عذاب کی یہ صورت نظر آ رہی ہے کہ باہم دست و گریباں ہیں اور مسلمان ایک دوسرے کی عزت و عفّت کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں۔

ہم عالمی ضمیر کا رونا کیا روئیں جبکہ خود ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں احساس تک نہیں کہ مسلمانانِ عالم اس وقت کس المیہ سے دوچار ہیں اور خود ہمارے ملک کی سرحدوں پر کتنے بھیانک خطرات منڈلا رہے ہیں۔ ہم جس جوش و خروش اور مسرت و شادمانی سے بھرپور عیدیں پہلے مناتے رہے ہیں، اس میں کمی تو کیا آتی، اضافہ ہی ہو رہا ہے اور ہم نے اپنا فرض محض یہ سمجھ لیا ہے کہ عیدین کے اجتماعات میں اپنے ان مظلوم بھائیوں کے حق میں اجتماعی دعاؤں کا اہتمام کر لیا کریں۔ باقی رہا ہمارے روز و شب میں اسلام کے مطابق کسی اصلاح کے آنے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے، اپنے غیر اسلامی افکار و نظریات سے تائب ہونے کا سوال! تو یہ بالکل خارج از بحث ہے۔ غیر اسلامی عالمی ضمیر تو اس لئے سو رہا ہے کہ اسے مسلمان ممالک سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بلکہ شاید ان کا وجود بھی ان کے لئے قابلِ برداشت نہیں ہے۔ اور ہمارا ضمیر اس لئے بیدار نہیں ہو رہا کہ یہ مصیبتیں ہم سے براہِ راست متعلق نہیں ہیں۔ چنانچہ نہ ہماری عیدوں کی دلچسپی میں کوئی فرق آیا ہے بلکہ طرح طرح سے ہم ان عیدوں کو

پہلے سے بھی زیادہ اہتمام اور تفریحات کے ساتھ گذار رہے ہیں۔ یہ تو ہماری دینی تقریبات کا حال ہے، باقی رہیں ہماری دوسری تقریبات، تو اخباری اطلاعات یہ ہیں کہ اس سال یوم استقلال اس شان سے منایا جائے گا کہ گذشتہ سالوں کی تقریبات اس کے سامنے ماند پڑ جائیں گی ــــ

حالانکہ ہر پاکستانی کا ان حالات میں دینی فرض یہ ہے کہ وہ اس امر کی جانب توجہ کرے کہ وہ اس ضمن میں عملاً کیا کر رہا ہے۔ ہماری نقطہ نظر سے اس وقت پورے دنیا میں "اسلام" اور "مسلمان" دونوں جس ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہیں اس کا واحد علاج یہ ہے کہ ہم اللہ کی طرف رجوع کریں اور عبادت رب کے تقاضے انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں پورے کرنے کی کوشش کریں۔ اگر واقعتاً پاکستان صحیح اسلام کا گہوارہ بن جائے اور حقیقی اسلام ہی اسکا اوڑھنا بچھونا ہو تو اللہ تعالیٰ پاکستان ہی کو یہ قوت فراہم کر سکتا ہے کہ وہ اپنے ان مظلوم بھائیوں کو ان مظالم سے نجات دلانے میں کوئی مؤثر کردار ادا کر سکے۔ بفحوائے ارشاد ربانی "کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ" ــــــ اور "عسی ربکم ان یرحمکم" کی شان ظاہر ہو جائے۔

ڈاکٹر صاحب کا حلقۂ تعارف اچھی طرح جانتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب عرصۂ دراز سے جمعہ کی تقاریر میں جہاں قرآن و سنت کی تعلیمات بیان فرماتے ہیں وہاں ساتھ ہی ان غیر اسلامی اور مبتدعانہ رسوم و رواج اور افعال کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں۔ جو دین کی حقیقی تعلیمات سے ناواقفیت کی وجہ سے شعوری اور غیر شعوری طور پر ہماری معاشرے میں رائج ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے دروس قرآن حکیم اور خطابات عام میں تقریباً پندرہ، سولہ سال سے یہی سلسلہ جاری ہے۔ لیکن جب ڈاکٹر صاحب موصوف نے ایک انٹرویو میں ضمناً ستر و حجاب کے احکام اور عورت کے حقیقی مقام کے متعلق اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اظہار خیال کیا تو اس وقت سے ڈاکٹر صاحب اباحیت و تجدد پسند اور مغربی تہذیب کی ظاہری چمک دمک سے مرعوب اور اس کی لذت کوشی سے آشنا طبقے کی جانب سے تمسخر و استہزاء کا ہدف بنے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے خطبات جمعہ کی نامکمل اور غیر صحیح اخباری رپورٹنگ میں سے لوگ خاص طور پر اخبارات کے فکاہی کالم نویس خورد بین لگا لگا کر ڈاکٹر صاحب کی اکثر باتوں کو تاویل القول بما لا یرضی بہ قائلہ کے مصداق اپنی مرضی کے مطابق معانی و مفاہیم پیدا کر کے اور پھنا کر اپنے قارئین یعنی "سلطان جمہور" کے سامنے طنز و تعریض اور تمسخر و استہزاء سے معمور نئی نئی لذیذ ڈشیں (dishes) پیش کر رہے ہیں۔ اسے حسن اتفاق کہہ لیجئے کہ یہ ہمارے نزدیک تو اصلاً

مشیت الٰہی ہی کا کرشمہ ہے کہ "قرآن حکیم اور ہماری زندگی" کے موضوع پر ہر جمعہ کو قرآنی آیات پر مشتمل ریڈیو پاکستان سے نشر ہوتا ہے، اس پروگرام میں ماہ جولائی میں سورۂ حجر کی آخری پندرہ آیات کی تفسیر و تشریح بیان کرنے کا کام محترم ڈاکٹر صاحب موصوف کے سپرد ہوا، جس میں یہ آیت مبارکہ بھی شامل ہے کہ "اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ" ـــــ مدنی قرآن میں عموماً خطاب کا رُخ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے لیکن اس اسلوب میں ایک عمومیت کا پہلو بھی شامل ہوتا ہے۔ چنانچہ محولہ بالا آیت میں اصل خطاب تو نبی اکرمؐ اور آپؐ کا استہزاء کرنیوالوں کے لئے ہے لیکن اس میں درحقیقت تاقیام قیامت ان تمام لوگوں کے لئے بھی بشارت و وعید موجود ہے کہ جو بھی امتی نبی اکرمؐ کے مشن کے اتباع میں دین کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیگا تو اسے استہزاء کا ہدف بھی بننا ہوگا اور ایسے مستہزئین کے لئے اللہ کافی ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ جولائی میں سورہ حجر کی آخری پندرہ آیات کا درس ڈاکٹر صاحب نے دیا ہے۔ تو ان آیات پر مشتمل نشری تقاریر اس شمارہ میں شامل کی جارہی ہیں جو ہمارے نزدیک اس شمارہ کا ایک بیش بہا خاصہ ہے۔

اس تمسخر و استہزار کے سلسلے میں جہاں بہت سی دینی اصطلاحات کو ہدف بنایا گیا ہے، اس میں خاص طور پر "بیعت" کو اوّلیت حاصل رہی ہے۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ تنظیم اسلامی میں شمولیت کے لئے بیعت کا نظام اگست ۱۹۷۴ء سے رائج ہے، لیکن اس کو یہ معانی پہنائے جاتے ہیں کہ گویا ڈاکٹر صاحب نے حال ہی میں بیعت لینے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ تنظیم میں شمولیت کی بیعت کے متعلق جناب مولانا سید حامد میاں صاحب مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور کا توضیحی بیان گذشتہ ماہ کے شمارہ میں شائع ہوچکا ہے جس میں خاص طور پر یہ جملہ کہ "تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی بیعت کسی سیاسی مقصد کے لئے نہیں بلکہ ان ہی دینی مقاصد کے لئے ہے جو احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور سلف صالحین سے منقول و ماثور ہیں۔ جیسے جہاد فی سبیل اللہ، یعنی اللہ کے دین کی نصرت و اقامت کے لئے اجتماعی سعی و جہد کے لئے بیعت" باعث طمانیت ہے۔ اس بیعت کی تائید مولانا وصی مظہر ندوی صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے نام ایک ذاتی خط میں کی ہے۔ مولانا موصوف ملک کی ایک جانی پہچانی دینی شخصیت ہیں اور حیدرآباد کے مشہور و معروف مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے مہتمم و رئیس ہیں۔ نیز علیحدگی سے قبل (کالعدم) جماعت اسلامی کے صف اوّل کے اکابر میں شمار ہوتے رہے ہیں۔ مزید برآں ملک کی نامور علمی شخصیت مولانا

محمد طاسین صاحب، رکن مجلس علمی کراچی، بیعت کے مسئلے کی تائید میں ایک مبسوط مقالہ تحریر فرما رہے ہیں جو ان شاء اللہ جلد ہی ماہنامہ میثاق کی زینت بنے گا۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اس مسئلہ پر اگست ۱۹۷۶ء میں تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع میں اجمالاً اظہار خیال فرما چکے ہیں جو "تنظیم اسلامی کے اجتماعات کی روداد حصہ اوّل" میں شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا ارادہ تھا کہ وہ اس مسئلہ پر ایک سیر حاصل مضمون تحریر فرمائیں گے۔ لیکن گوناگوں دوروں کی مصروفیات ان کو اس ارادہ کی تکمیل کا موقع فراہم نہ کر سکیں۔ اب اگست کو تقریباً ڈیڑھ ماہ کے لئے ڈاکٹر صاحب امریکہ و کینیڈا کے دعوتی دورے کے لئے عازم سفر ہونے والے ہیں۔ بیعت کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب کئی اہل علم و فضل سے تبادلہ خیال کر چکے ہیں اور یہ گفتگو جاری ہے امید ہے کہ شمالی امریکہ سے واپسی کے بعد ڈاکٹر صاحب چند دوسرے اہل علم سے بھی اس مسئلہ پر تبادلۂ خیال فرمائیں گے اور خدا نے چاہا تو اس مسئلہ پر اور دوسرے چند اہم مسائل پر بھی جو اس دوران مختلف اصحاب کی طرف سے اخبارات میں اٹھائے گئے ہیں، اپنے ایک مضمون میں اظہار خیال فرمائیں گے۔ راقم نے بھی اپنی علالت کے دوران بیعت کے مسئلہ پر ایک مضمون لکھا تھا جو نظر ثانی کا محتاج ہے۔ لیکن چونکہ صحت ابھی پوری طرح بحال نہیں ہوئی اس لئے یہ کام مؤخر ہو گیا ہے۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی اور اللہ کو منظور رہا تو یہ مضمون بھی آئندہ کسی شمارے میں شامل ہو جائے گا۔

تنظیم اسلامی کے نظام العمل میں ایک شق یہ بھی شامل ہے جو من وعن حسب ذیل الفاظ پر مشتمل ہے:

حلقۂ مستشارین

"ا۔ ایسے صاحب علم و فضل پر مشتمل ایک "حلقہ مستشارین" قائم کیا جائے گا جو کسی سبب سے تنظیم اسلامی میں باقاعدہ تو شریک نہ ہوں۔ البتہ اس کے نظریات سے مجموعی اتفاق اور اس کے مقاصد سے عمومی دلچسپی رکھتے ہوں اور یہ ذمہ داری قبول کر لیں کہ وہ عند الطلب مشورہ بھی دیتے رہیں گے اور تنظیم کی سرگرمیوں پر بھی نگاہ رکھیں گے اور اگر کہیں غلط رجحان نظر آیا تو اس پر متنبہ بھی کر دیں گے

ب۔ اس حلقے میں صرف وہی اہل علم و فضل شامل ہو سکیں گے، جن سے تنظیم خود درخواست کرے

ج۔ اس حلقے کے کوئی صاحب اگر کوئی غلط رجحان دیکھیں تو وہ اولاً امیر تنظیم کو متوجہ کریں گے اور بعد ازیں اگر وہ ضرورت محسوس کریں تو ان کی رائے جملہ

رفقائے تنظیم کے علم میں لانا قیم تنظیم اسلامی کی ذمہ داری ہوگی جو خواہ تنظیم کے جریدے میں اشاعت کے ذریعے ہو خواہ کسی سرکلر کے ذریعے۔ یا اسے سالانہ اجتماع تنظیم میں پیش کرنے کی صورت میں ہو۔"

یہ بات ہمارے لئے تو باعث مسرت وافتخار ہے اور توقع ہے کہ ہماری دعوت اور کام سے اتفاق وتعلق اور ہمدردی رکھنے والے تمام حلقہ کے لئے موجب اطمینان ہوگی کہ جن تین اہل علم وفضل شخصیتوں کا، یعنی مولانا سید حامد میاں صاحب، مولانا وصی مظہر صاحب ندوی اور مولانا محمد طاسین صاحب، کا ذکر اوپر آیا ہے، ان تینوں حضرات نے اس حلقہ مستشارین میں شمولیت کی ذمہ داری قبول فرمالی ہے۔ ان میں سے موخرالذکر دو حضرات تو یہ منظوری کافی عرصہ قبل عطا فرما چکے ہیں لیکن اس کا اعلان اس لئے نہیں کیا گیا تھا کہ جب تک تین حضرات شمولیت کی منظوری عطا نہ فرمائیں صحیح معنوں میں حلقہ وجود میں نہیں آتا۔ اول الذکر مولانا سید حامد میاں صاحب مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ مدنیہ، خلیفۂ مجاز حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، نے گذشتہ ماہ یہ منظوری عطا فرمادی ہے۔ حقیقتاً یہ ہے کہ اس دور میں جبکہ مختلف اطراف سے ڈاکٹر صاحب اور تنظیم اسلامی کی دعوت کے خلاف ایک طوفان بدتمیزی بپا ہے، مولانا موصوف کا اس طرح تعاون پیش کرنا، دعوت وتحریک کے لئے بہت بڑی مدد اور اعانت ہے اور حقیقتاً مولانا جیسی شخصیت کی حلقہ مستشارین میں شمولیت جہاں تنظیم اسلامی کے لئے باعث سعادت وطمانیت ہے۔ وہاں مولانا کا یہ فیصلہ تعاون علی البر والتقویٰ کا اعلیٰ ترین مظہر ہے۔ مولانا موصوف کی شمولیت سے بحمداللہ حلقہ مستشارین باقاعدہ وجود میں آگیا ہے اور ایک دیرینہ ضرورت پایۂ تکمیل پہنچ گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور حلقہ تعارف کی دعاؤں کے طفیل طبیعت پہلے سے بہتر ہے لیکن تاحال پوری طرح بحال نہیں ہوئی ہے۔ معالجین، گھر والوں حتیٰ کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا اصرار ہے کہ ہر قسم کے جسمانی وذہنی کام سے دست برداری اختیار کر کے مکمل آرام کیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مزاج ایسا بنایا ہے کہ بستر پر پڑے رہنا مشکل ہے۔ لہٰذا طبیعت ذرا بھی بہتر ہوتی ہے تو کوئی نہ کوئی تحریری یا مطالعہ کا کام شروع کر دیا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت صرف اللہ تعالیٰ کا احسان وکرم ہے کہ وہ مجھ عاجز سے اس طرح کام لے رہا ہے۔ اپنی دعاء، تمنا وآرزو یہی ہے کہ خاتمہ ایمان پر اور اس کے دین متین کی کسی نہ کسی

نوع کی خدمت کے دوران ہو ـــــ

بعض اداروں کی طرف سے تبصرے کے لئے کتب ادارہ کو موصول ہو چکی ہیں اور ہر ماہ چند کتابیں مزید آجاتی ہیں، ہماری خواہش ہے کہ تبصرۂ کتب کا ایک مستقل عنوان میثاق میں شامل ہے لیکن اس کام میں کبھی تنگیٔ ضخامت اور کبھی قلتِ وقت حائل ہوتی رہی ہے ـــــ اور نہ ہی ابھی تک کوئی ایسے صاحب دستیاب ہو سکیں گے جو مستقل طور پر یہ کام اپنے ذمہ لے لیں۔ جن حضرات کی طرف سے تقاضے آتے ہیں ان کی خدمت میں معذرت پیش ہے، ان شاء اللہ جلد ہی اس سلسلہ کی تجدید کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

بقیہ : بحث و نظر

"وہ نابینا ہیں لیکن تم تو نابینا نہیں ہو!" ـــــ یہ معاملہ اس صورت میں مزید شدید ہو گا جبکہ اس نامحرم کا گھر میں آنا جانا عام ہو اور قرب کے امکانات پائے جاتے ہوں ـــــ

۱۴ - بنا بریں شریعت پر عمل کرنے کی خواہشمند خواتین کے لئے صحیح طرز عمل یہی ہے کہ وہ ٹیلیویژن کے دینی پروگراموں کو بھی حتی الامکان صرف "سننے" پر اکتفا کریں - اور نامحرم مردوں کو دیکھنے سے بچیں -

۱۵ - جہاں تک میرا تعلق ہے "ہدایت و حکمت" سیریز کے ایک دو پروگراموں کے بعد جن میں حاضرین میں مردوں کے ساتھ ساتھ بعض خواتین بھی تھیں جب صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی ذاتی دلچسپی کی بناء پر "الھُدیٰ" کا پروگرام طے پا رہا تھا تو میں نے صاف عرض کر دیا تھا کہ سامعین میں اگر خواتین شامل ہوں تو پردے کے ساتھ ہوں ورنہ بالکل نہ ہوں - چنانچہ کسی قدر ردّ وقدح کے بعد لاہور ٹیلیویژن کے ذمہ دار حضرات نے مؤخر الذکر صورت پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا جس پر بحمد اللہ پورے پندرہ ماہ عمل جاری رہا ـــــ اور آئندہ بھی اگر اس کی نوبت آئی تو ان شاء اللہ العزیز ایسا ہی ہو گا ـــــ اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت بخشے اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے -

بحث و نظر

ڈاکٹر اسرار احمد

تصویر اور حجاب کے اسلامی احکام اور ٹیلیویژن

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور کی اشاعت بابت ۱۲ جولائی میں جناب وارث میر صاحب نے ٹرانسوال (جنوبی افریقہ) سے شائع شدہ کسی کتابچے کے حوالے سے تصویر کشی اور ستر و حجاب کے اسلامی احکام کے پس منظر میں ٹیلیویژن کی ملت و حرمت کا مسئلہ چھیڑا ہے — اور اس سلسلے میں اس خاکسار کو بھی بحث میں گھسیٹ لیا ہے، کاش کہ وہ اصل نفسِ مسئلہ ہی تک بات کو محدود رکھتے اور اس وقت ہمارے ملک میں ستر و حجاب کے اسلامی احکام کو عنوان بنا کر شعائرِ اسلامی کے تمسخر و استہزاء کی جو گنگا بہائی جا رہی ہے اس میں چلتے چلتے خود بھی ہاتھ دھو لینا ضروری نہ سمجھتے، بہرحال موصوف کے طنز و تعریض یا محض تفنّن طبع سے 'غضِ بصر' کرتے ہوئے ان کے اٹھائے ہوئے مسائل سے متعلق اپنی رائے پیش کر رہا ہوں:

۱— اس میں ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ جاندار مخلوق کی تصویر کشی کی شدید ممانعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہے اور جب ہم یہ جانتے اور مانتے ہیں کہ "بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست" اور "اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست" تو ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے چاہئیں اور آپؐ کے حکم کو اُس شان کے ساتھ تسلیم کرنا چاہیے جس کا نقشہ سورۂ نساء میں ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے کہ "فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ یعنی "تیرے ربّ کی قسم یہ لوگ ہرگز مومن نہ قرار پائیں گے جب تک کہ جو معاملہ بھی ان کے مابین اٹھ کھڑا ہو اس میں آپؐ ہی کو آخری حکم تسلیم نہ کریں اور پھر جو فیصلہ آپؐ فرما دیں اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں اور اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں!"

۲ - لیکن ایک عملی مسئلہ اس حقیقت کے پیش نظر پیدا ہوتا ہے کہ دورِ نبویؐ میں کیمرہ موجود نہ تھا اور تصویریں صرف ہاتھ سے بنائی جاتی تھیں لہٰذا جہاں تک جاندار مخلوقات کی ہاتھ سے بنائی جانے والی تصویر کا تعلق ہے اس کی حرمت تو نصِ قطعی سے ثابت ہوگئی اور اس پر پوری اُمت کے اہل علم کا اتفاق ہے البتہ کیمرہ کے ذریعے محفوظ کئے جانے والے عکس کا معاملہ چونکہ نیا تھا اس لئے اس کے بارے میں اختلاف پیدا ہوگیا۔

۳ - تقریباً تمام عالم عرب کے علماء کی متفقہ رائے یہ بنی کہ کیمرہ کے ذریعے محفوظ کیا جانے والا عکس "تصویر" کے حکم میں نہیں ہے، لہٰذا حرام نہیں، جائز ہے۔ چنانچہ اسی پر پورے عالم عرب میں تعامل رہا۔ البتہ برصغیر پاک و ہند کے علماء کرام کی اکثریت کی رائے یہ ہوئی کہ یہ بھی تصویر کے حکم میں داخل ہے لہٰذا اس پر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ممانعت کا اطلاق ہوتا ہے۔ البتہ جہاں تک کسی ناگزیر تمدنی ضرورت کا تعلق ہے جیسے شناختی کارڈ، پاسپورٹ یا ڈرائیونگ لائسنس وغیرہ میں تصویر کا استعمال یا جرائم کی تفتیش یا طبی تعلیم کے ضمن میں تصاویر سے استفادہ، تو ایسے معاملات میں ان حضرات نے بھی "الضرورات تبیح المحذورات" یعنی "ناگزیر ضرورتوں کی بناء پر ممنوع چیزیں بھی جائز ہو جاتی ہیں" کے اصول کے تحت تصویر کے استعمال کو جائز قرار دیا۔

۴ - ہندوستان کے علمی حلقوں میں سے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے تصویر کے ضمن میں پورے شرحِ صدر کے ساتھ عالم عرب کے علماء کی رائے سے اتفاق بھی کیا اور پوری جرأت کے ساتھ اس پر عمل بھی کیا۔ چنانچہ بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے عشرے کے دوران جو رسائل 'الہلال' اور 'البلاغ' کے نام سے مولانا مرحوم کے زیر اہتمام و زیر ادارت شائع ہوئے وہ باتصویر تھے۔ برصغیر کے علماء نے اگرچہ اسے اصلاً غلط سمجھا لیکن بہرحال اسے کوئی بڑا فسق و فجور بھی قرار نہ دیا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ۱۹۳۰ء میں مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی جانب سے مولانا مرحوم کو 'امام الہند' قرار دیئے جانے کی تجویز کی تائید نہ ہوتی۔ اور نہ ہی مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید دہلوی ایسے علماء کبار اس ضمن میں کوشاں اور فعال رہتے ——۔

۵ — دورِ حاضر میں برصغیر پاک و ہند کے بعض علماء بالخصوص وہ جو سیاسی میدان میں بھی سرگرم ہیں۔ ان کی یہ 'دوعملی' بھی مشاہدے میں آئی کہ خالص مسئلہ کے اعتبار سے تو ان کی رائے علیٰ حالہٖ قائم رہی لیکن عملاً ان کا رویہ یہ رہا کہ نہ صرف جلسہ ہائے عام کی تصویروں کے ضمن میں ان کے فوٹو کثرت سے اخبارات کی زینت بنے بلکہ ان کی اپنی ورکنگ کمیٹیوں اور مجالس ہائے مشاورت کی تصاویر بھی اخبارات میں شائع ہوئیں اور یہ ظاہر ہے کہ ان کی اجازت کے بغیر ممکن نہ تھا —

۶ — امورِ مندرجہ بالا کے پیشِ نظر معتدل رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ :

ا - جاندار چیزوں کی تصویر ہاتھ سے بنانا شریعتِ اسلامی کی رُو سے بالاتفاق حرام ہے۔

ب - کیمرے کے ذریعے محفوظ کئے جانے والے عکس کے ضمن میں اگر کوئی ناگزیر تمدنی ضرورت موجود نہ ہو اور یہ محض شوقیہ یا 'یادگار' کے طور پر ہو تو اس کے مکروہ ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے، البتہ علماء پاک و ہند کے نزدیک یہ بھی حرام مطلق ہے۔ واضح رہے کہ علماء عرب کی بھی اکثریت فوٹو کے البم بنا کر بطور یادگار رکھنے یا انہیں بطور تعظیم دیواروں پر آویزاں کرنے کو درست نہیں سمجھتی۔

ج - البتہ جہاں کسی تمدنی ضرورت کا داعیہ موجود ہو وہاں اسے جائز قرار دیا جائے گا۔

۷ — اسی کی ذیل میں 'مصلحتِ دینی' کا معاملہ بھی آجائے گا۔ یعنی یہ کہ اگر دین اور اس کی دعوت و تبلیغ یا نشر و اشاعت کی کوئی مصلحت داعی ہو تو اس کے لئے بھی تصویر کا استعمال جائز ہوگا۔ شاید اسی اصول کے تحت سیاسی میدان میں فعال علماء کرام نے اپنی یا اپنے اجتماعات اور جلسوں کی تصویروں کی اشاعت کو جائز سمجھا ہو۔ بہرحال ٹیلیویژن کا معاملہ یقیناً اس کے ذیل میں آتا ہے، اس لئے کہ یہ دورِ حاضر کے ذرائع ابلاغ میں مؤثر ترین ذریعہ ہے اور اگر کفر و الحاد کی نشر و اشاعت کے لئے تو یہ ذریعہ مستعمل ہو لیکن ایمان و اسلام کی دعوت و تبلیغ کو اس سے محروم رکھا جائے تو نتیجہ یقیناً کفر کے

حق میں جائے گا ——————

چنانچہ یہ ہے وہ رائے جس پر عمل کرتے ہوئے میں نے ٹیلیویژن پروگرام میں حصہ لیا ہے —— اور اگر کوئی مضبوط علمی رائے ایسی سامنے نہ آئی جس سے میری اس رائے کی غلطی واضح ہو جائے تو میں آئندہ بھی جب بھی موقع ملا قرآن حکیم کی دعوت اور اس کے فکر و فلسفہ کی نشر و اشاعت کے لئے اس مؤثر ترین ذریعے کو استعمال کرنے سے دریغ نہ کروں گا ——————

---

۸ — البتہ ستر و حجاب کا معاملہ مختلف ہے - ٹیلیویژن تو تلوار کی مانند ایک ہتھیار ہے جس طرح تلوار صحیح مقصد کے لئے بھی استعمال ہو سکتی ہے اور غلط مقصد کے لئے بھی - اسی طرح ٹیلیویژن کو ٹھیٹھ اسلامی ثقافت کے فروغ کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور ملحدانہ اور اباحیت پرستانہ طرز زندگی کے رواج کے لئے بھی ——

۹ — اس ضمن میں جہاں تک ڈراموں اور تمثیلوں کا تعلق ہے یہ ایک جداگانہ بحث ہے کہ اسلامی ثقافت میں ان کی گنجائش ہے یا نہیں ؟ طویل گفتگو کا تو اس وقت موقع نہیں ہے - بہرحال میری رائے میں اسلامی تمدن و ثقافت میں 'اداکاری' کے پیشے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور میں ان اصحاب علم سے متفق ہوں جن کی رائے میں اسلامی معاشرے میں فلمیں یا ٹیلیویژن صرف واقعات و حقائق کو پیش کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں - یعنی ڈوکومنٹری فلمیں ہوں یا براہ راست ٹیلی کاسٹنگ !

۱۰ — جہاں تک ٹیلیویژن پر خواتین کے اناؤنسر وغیرہ کے طور پر آنے کا سوال ہے اس کا تعلق اس سے ہے کہ آیا حجاب شرعی کے حکم میں چہرہ بھی شامل ہے یا نہیں ؟ جن لوگوں کی رائے دیانتہً یہ ہو کہ چہرے کا پردہ لازم نہیں ہے ان کے نزدیک پورے ساتر لباس کے ساتھ کسی خاتون کا ٹیلیویژن پر

آنا جائز ہوگا ۔ میں چونکہ چہرے کے پردہ کا بھی شدت سے قائل ہوں لہٰذا میرے نزدیک یہ درست نہیں ہے ——

۱۱ — لیکن کسی مرد کا ٹیلیویژن پر آنا تو کسی طور سے بھی قابل اعتراض نہیں (الّا یہ کہ کوئی شخص فی نفسہٖ ٹیلیویژن ہی کے جواز کا قائل نہ ہو اور اسے حرام قرار دے) یہ تو بالکل ایسے ہی ہوگا کہ کوئی شخص "وقرن فی بیوتکنّ" یعنی "اے خواتین تم اپنے گھروں میں قرار پکڑو" کے قرآنی حکم کا اطلاق مردوں پر بھی کرے ۔ ظاہر ہے کہ 'حجاب' کا حکم خواتین کو ہے، مردوں کو نہیں ۔ اور کثر سے کثر باپردہ خاتون بھی اگر کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلے گی تو خواہ وہ خود نقاب ڈالے ہوئے ہو لیکن راستہ چلتے ہوئے نامحرم مردوں پر اس کی نظر پڑنا ناگزیر ہے —— اس ضمن میں میں صرف درخواست ہی کر سکتا ہوں کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اللہ سے ڈریں اور شعائر اسلامی کے استہزاء سے باز رہیں، شریعت کے احکام کو حتی الامکان معروضی طور پر سمجھنے کی کوشش کریں اور اگر ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نہ پائیں تو کم از کم اُن کے قطع و برید اور ان کو توڑنے اور مروڑنے اور ان کے تمسخر و استہزاء سے تو باز رہیں!

۱۲ — ویسے بھی کسی مرد کے کسی نامحرم عورت کو دیکھنے اور کسی عورت کے کسی نامحرم مرد کو دیکھنے کے مابین نفسیاتی اعتبار سے زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ اس لئے کہ سہ "نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد، خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد" کے مصداق استثنائی معاملات سے قطع نظر مرد کی فطرت میں فعل و اقدام ہے اور عورت کی فطرت میں تاثر و انفعال! بنا بریں کسی مرد کے لئے نامحرم عورت کے دیکھنے میں جس قدر فتنہ مضمر ہے اتنا عورت کے نامحرم مرد کو دیکھنے میں نہیں ہے ۔

۱۳ ۔ تاہم عام حالات میں اور بلا کسی ضرورت یا مجبوری کے کسی عورت کے لئے بھی از روئے شریعت جائز نہیں کہ کسی نامحرم مرد کو دیکھے ۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ازواج مطہراتؓ کو حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ سے پردہ کا حکم دیا اور انہوں نے عرض کیا کہ "حضورؐ! وہ تو نابینا ہیں!" تو آپؐ نے فرمایا

سورۂ حجر کی آخری پندرہ آیتوں میں

اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم

سے

خصوصی خطاب

مخالفین اور معاندین کی ظاہری شان و شوکت

اور

ان کی جانب سے طنز و تعریض اور تمسخر و استہزاء

کے ضمن میں تفصیلی ہدایات

ڈاکٹر اسرار احمد

کی پانچ نشری تقاریر

جو ۲ تا ۳۰ جولائی ۸۲ء ہر جمعہ کی صبح ریڈیو پاکستان سے نشر ہوئیں!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا خَلَقْنَا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ
فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿٨٥﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٦﴾ وَلَقَدْ
اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿٨٧﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ
اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ
جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾ وَقُلْ اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿٨٩﴾ كَمَآ
اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿٩٠﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿٩١﴾
فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَاصْدَعْ بِمَا
تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٩٤﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿٩٥﴾
الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ
اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ
السّٰجِدِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بہت سی دوسری مکّی سُورتوں، بالخصوص ابتدائی مکّیات کی طرح سُورۂ حجر کے اختتام پر بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جانب خصُوصی التفات اور بالکل ذاتی سطح پر گفتگو وارد ہوئی ہے۔ بلکہ بہت سی دوسری سُورتوں کے مقابلے میں اس مقام پر خطاب نہایت مفصّل بھی ہے اور متعدد پہلوؤں کو محیط بھی!

قرآن حکیم کی مکّی سُورتوں کو زمانۂ نزول کے اعتبار سے تین بڑے بڑے گروپوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی ایک وہ جو ابتدائی چار سالوں کے دوران نازل ہوئیں۔ دوسرے وہ جو درمیانی چار سالوں کے دوران نازل ہوئیں اور تیسرے وہ جو آخری چار سالوں کے دوران نازل ہوئیں۔ ان گروپوں کی سُورتوں میں مضامین کے اعتبار سے بھی فرق ہے، اسلوب اور سٹائل کے اعتبار سے بھی فرق ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خطاب کے تیور کے اعتبار سے نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ایمانیات ثلٰثہ میں سے پہلے چار سال کی سُورتوں میں اصل مضمون بعث بعد الموت، قیامِ قیامت اور جزا و سزا یعنی بالجملہ معاد یا ایمان بالآخرت کا ہے۔ اور اسلوب انذار یعنی خبردار کر دینے کا ہے۔ اسلوب اور اسٹائل کے اعتبار سے آیات کا سائز چھوٹا ہے اور بہاؤ یا Rythm تیز ہے ـــــ جبکہ درمیانی دَور کی مکّیات میں اصل مضمون توحید کا ہے، انداز افہام و تفہیم کا ہے، اور طرزِ خطاب میں بھی ٹھہراؤ کا رنگ نمایاں ہے ـــــ جبکہ آخری چار سالوں کے دوران نازل شدہ سُورتوں میں، اصل مضمون ایمان بالرّسالت اور اس کے متعلقات پر مشتمل ہے، انداز زجر و توبیخ اور آخری دھمکی اور فیصلہ کن وعید کا ہے۔ رہا آیات کے سائز اور Rythm کا معاملہ تو ان اعتبارات سے آخری دَور کی مکّیات مدنی سُورتوں سے بہت مشابہ ہیں!

سُورۂ حجر مُصحف میں تو ان سُورتوں کے جھرمٹ میں واقع ہے جو بالاتفاق نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قیامِ مکّہ کے آخری دَور میں نازل ہوئیں۔ چنانچہ سُورۂ یونس سے سُورۂ کہف تک کی نو مکّی سُورتوں میں سے سوائے اس ایک سورت کے اور

کسی کے بارے میں زمانۂ نزول کے اعتبار سے دو رائیں ممکن نہیں ہیں یہ سب کی سب یقیناً آنحضورؐ کے قیامِ مکّہ کے آخری دَور سے متعلق ہیں - لیکن سُورۂ حجر ان کے مابین ایک نمایاں CONTRAST کی شان کے ساتھ وارد ہوئی ہے - اس کا انداز، اسلوب اور اسٹائل سب کے سب ابتدائی دَور کی سُورتوں سے مشابہ ہیں - آیات کے سائز کے اعتبار سے اگر ماقبل اور مابعد کی سُورتوں سے تقابل کیا جائے تو سُورۂ ابراہیم کی ۵۲ آیات سات رکوعوں میں سما سکی ہیں اور سُورۂ نحل کی ۱۲۸ آیات سولہ رکوعوں میں آئی ہیں جبکہ سُورۂ حجر کی آیات ۹۹ ہیں اور رکوع کل چھ !! ابتدائی مکّی سُورتوں کے ساتھ اس اسلوب اور اسٹائل کی مماثلت کے ساتھ ساتھ سُورۂ حجر میں ابتدائی مکّیات کا وہ وصف بھی بتمام وکمال موجود ہے کہ اس میں آنحضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کی جانب خصوصی التفات اور آپؐ سے خالص نجی انداز کی گفتگو نمایاں بھی ہے - اور مفصّل بھی !! چنانچہ اس سُورۂ مبارکہ کی آخری پندرہ آیات کل کی کل آنحضورؐ سے خصوصی خطاب ہی پر مشتمل ہیں -

(۱)

ان میں سے اوّلین دو آیتوں میں ارشاد ہوتا ہے :

" وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (آیات ۸۵، ۸۶) — یعنی " ہم نے نہیں تخلیق فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے اُس کو مگر حق کے ساتھ، اور یقیناً قیامت آکر رہے گی - پس (اے نبیؐ) آپؐ خوبصورتی کے ساتھ کنارہ کرتے رہیں - یقیناً آپ کا ربّ نہایت خلّاق بھی ہے اور ہر شے کا جاننے والا بھی !" —

ان الفاظِ مبارکہ کے بین السطور یہ صورتِ حال صاف جھلک رہی ہے کہ کفّار و مشرکین نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا ہے - آپؐ کو تنگ کرنے اور ستانے کے سارے حربے آزمائے جا رہے ہیں اور بالخصوص طنز و استہزاء طعن و تشنیع سے زہر آلود تیر ہر سمت سے برسائے جا رہے ہیں - نتیجۃً آپؐ کے قلبِ مبارک

پر رنج و غم اور حزن و ملال سایہ کیئے ہوتے ہیں - یہاں تک کہ کبھی کبھی ضیقِ صدر تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور اس کیفیت میں کوئی عجب نہیں کہ کبھی بر بنائے طبعِ بشری یہ خیال بھی قلبِ اطہر میں پیدا ہو جاتا ہو کہ آخر کفار اور مشرکین کو اس قدر ڈھیل کیوں دی جا رہی ہے - اور بجائے اُن کی رسّی دراز کیئے جانے کے کیوں نہیں ان کا حساب فوری طور پر چکا دیا جاتا ؟ ؟ اصل میں اس سوال کا جواب ہے جو ان آیاتِ مبارکہ میں دیا جا رہا ہے - اور واضح رہے کہ یہ سوال کسی نہ کسی مرحلے پر ہر اس شخص کے دل میں پیدا ہونا لازمی ہے جو تا قیامِ قیامت کسی بھی دَور میں اور کسی بھی جگہ بر منہاجِ نبوّت پر دعوتِ حق کا عَلم بلند کرے گا. یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے ساتھ اپنے اس خصوصی راز و نیاز کو بھی وحیِ متلوّ میں شامل فرما دیا تاکہ ابدالآباد تک کے تمام داعیانِ حق کو اپنے دل میں پیدا ہونے والے اس سوال کا جواب مِل جائے -

جواب کا پہلا حصّہ خداوند ذوالجلال کے شاہانہ جلال کا مظہر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نہایت اہم اور اساسی حقیقت کی نشاندہی کر رہا ہے - یعنی یہ سلسلۂ تخلیق جو تاحدِّ نگاہ تمہاری نگاہوں کے سامنے پھیلا ہوا ہے اسے کسی رام کی لیلا یا کسی کھلنڈرے کا کھیل نہ سمجھو، بلکہ یہ ایک علیم و حکیم ہستی کی تخلیق ہے جس میں ہر شے بامقصد بھی ہے اور باضابطہ بھی - جب تم خود جانتے ہو کہ یہاں گھاس کا ایک تنکا بھی بے مقصد و بے حکمت نہیں تو خود سوچو کہ یہ پوری کائنات کیسے باطل یا عبث یعنی بے مقصد اور بلا غایت ہو سکتی ہے، بالخصوص انسان جو اس پورے سلسلۂ تخلیق کا مقصود و حاصل ہے اُس کے معاملات و متعلقات کیسے الل ٹپ یا بے ضابطہ و بے مقصد ہو سکتے ہیں - یہاں ہر شے کے لئے ایک ضابطہ اور ہر غایت کے لئے ایک طریق معیّن ہے جس کی شرائط پوری کئے بغیر وصول الیٰ الغایت محال ہے -

"ایں خیال است محال، است جنوں !" —— چنانچہ یہاں جیسے ایک کسان کو مسلسل محنت و مشقت اور صعب و تعب کی منزلوں سے گزر کر ہی لہلہاتی ہوئی فصل کا منہ دیکھنا نصیب ہوتا ہے اسی طرح ایک داعیٔ حق کو بھی محنت و مشقت اور صبر و مصابرت کے بغیر چارہ نہیں ہے ! ہتھیلی پر سرسوں جمانا جیسے ایک کسان

کے لیئے محال ہے ویسے ہی ایک داعیٔ حق کو بھی اس کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے! ہاں! یہ ضرور ہے کہ طبعی و مادّی نتائج کے اعتبار سے تو یہ عالَم طبعی کامل و خود مکتفی ہے چنانچہ جملہ طبعی و مادّی نتائج یہاں بتمام و کمال ظاہر ہو جاتے ہیں، البتہ اخلاقی و رُوحانی نتائج کے اعتبار سے یہ عالَم مادّی ناقص ہے ـــ یہی وجہ ہے کہ اُن کے بتمام و کمال ظہور کے لیئے خالق کائنات نے ایک دوسرا عالَم پردۂ غیب میں رکھا ہوا ہے یعنی عالَم آخرت جس کا نقطۂ آغاز ہے " القیامہ " یا " الساعہ "۔ اُس کے وقوع کے بارے میں اہل حق اور بالخصوص داعیانِ حق کو یقین کامل رکھنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ انہیں اطمینان رہے کہ اُن کی سعی و جہد، محنت و مشقت اور صعب و تعب کے نتائج اگر اس عالَم دنیا میں نہ نکلے تو بھی پرواہ نہیں، قیامت کا دن بہرحال آنے والا ہے اور اُس دن اُن کی محنت کا بھرپور بدلہ اور ان کی مشقت کا بھرپور اجر انہیں مل کر رہے گا ـــ واقعہ یہ ہے کہ داعیٔ حق کی قوت کا اصل راز یہی ایمان بالآخرت ہے۔ آخرت کی بازپرس اور مسؤلیت کا احساس ہی اُس کے سمندِ جہد پر تازیانے کا کام دیتا ہے اور اُسی کے " رَوۡحٌ وَّرَیۡحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِیۡمٍ " کی اُمید اُس کے دُکھتے ہوئے دل اور زخمی احساسات و جذبات پر مرہم کا کام دیتی ہے نتیجۃً وہ ابنائے نوع کی زیادتیوں پر صبر کرتا، ان کی دست درازیوں کو برداشت کرتا اور اُن کے طعن و استہزاء خندہ پیشانی سے جھیلتا ہوا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے ـــ چنانچہ اسی کا حکم ہے آیت ۸۵ کے آخری حصے میں یعنی " فَاصۡفَحِ الصَّفۡحَ الۡجَمِیۡلَ " صفحہ ایک رُخ کو کہتے ہیں، چنانچہ کاغذ کے ایک ورق کے دو صفحے ہوتے ہیں۔ لوگوں سے 'صفح' کے معنی ہوں گے ان سے رُخ پھیر لینا، کنارہ کر لینا ـــ اسی میں آگے بڑھ کر کسی کی غلطی کو دیکھا ان دیکھا کر دینے یعنی درگذر کرنے اور چشم پوشی سے کام لینے کا مفہوم بھی پیدا ہو جاتا ہے، یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اوّل تو 'صفح' خود ہی نہایت اعلیٰ اور محمود وصف ہے پھر یہاں اس پر ایک مزید صفت 'الجمیل' کا اضافہ کیا جا رہا ہے یعنی یہ کنارہ کرنا لڑائی اور انقطاع کی صورت میں نہ ہو بلکہ نہایت حسن و خوبی اور شریفانہ درگذر کی شان کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اسی کی ہدایت ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل آغاز میں سُورۂ مزّمل میں ان

الفاظ میں دی گئی تھی کہ " واصبر علیٰ مایقولون واھجرھم ھجراً جمیلاً"
یعنی " (اے نبیؐ) صبر کرو اس پر جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں اور اُن سے علیحدگی اختیار کر لو
لیکن خوبصورتی کے ساتھ" —— اور یہی ہے وہ وصفِ محمود جس کی ترغیب دلائی گئی
ہے سُورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں 'عباد الرحمٰن' کے اوصافِ محمودہ میں
اس وصف کی نشاندہی فرما کر کہ " اِذا خاطبھم الجٰھلون قالوا سلٰماً"
یعنی "جب اُن سے اُلجھتے ہیں نادان لوگ تو وہ کہتے ہیں سلام !!" ——

دوسری آیت یعنی آیت ۸۶ میں اسی ضمن میں دوسری حقیقت کی جانب توجہ
مبذول کرا دی کہ " یقیناً تیرا رب ہی خلّاق اور العلیم یعنی سب کچھ جاننے والا ہے"
—— اللہ تعالےٰ کی صفت علم کا بہت گہرا تعلق ایمان بالآخرت کے ساتھ ہے یعنی اس کے
علم سے کوئی بھی چیز باہر نہیں ہے - نہ کسی ظالم کا ظلم اُس سے مخفی ہے نہ کسی نیکوکار
کی نیکی ہی اُس سے پوشیدہ ہے - چنانچہ نہ کوئی ظالم اور بدکردار انسان اپنے ظلم اور
بداعمالیوں کی سزا سے بچ سکے گا - اور نہ ہی کوئی نیکوکار اور وفادار انسان اپنے نیک
اعمال اور جانثاری و وفاداری کے صلے سے محروم رہے گا یعنی اللہ تعالےٰ کے ساتھ
جان و مال کا سودا کرنے اور اس کے دین کے لئے مصائب و مشکلات برداشت
کرنے والوں کے لئے اس کا کوئی اندیشہ نہیں ہے کہ ع " مر گئے ہم انہیں خبر نہ
ہوئی !" بلکہ جس کی رضاجوئی کے لئے وہ یہ سب کچھ جھیل رہے ہیں وہ نہایت باریک
بین بھی ہے اور ہر شے سے باخبر بھی ! جیسے کہ سُورۃ لقمان میں حضرت لقمان کا قول
نقل ہوا کہ : اِنھا ان تک مثقال حبۃٍ من خردلٍ فتکن فی صخرۃ او فی
السمٰوٰتِ او فی الارض یاتِ بھا اللہ ؕ ان اللہ لطیفٌ خبیرٌ ۝" یعنی " نیکی یا
بدی خواہ رائی کے دانے کے برابر ہو، پھر خواہ وہ کسی چٹان میں ہو خواہ آسمانوں
میں خواہ زمین (کے پیٹ) میں اللہ اسے لے آئے گا - یقیناً اللہ نہایت باریک بین
(ہر شے سے) باخبر ہے !" —— یہاں صفتِ علم کے ساتھ اللہ کی شانِ خلاّقی کا ذکر
بہت معنی خیز ہے - اِس کی گہرائی میں جھانکنے کے لئے توجہ مبذول فرمایئے سُورۃ ملک
کی آیت ۱۴ کی جانب یعنی : " اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَھُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ"
یعنی " کیا وہی نہ جانے گا جس نے خود تخلیق فرمایا - ؟ وہی تو ہے حد درجہ باریک بین

اور ہر شے سے باخبر!"

حاصلِ کلام یہ کہ اللہ کے "الخلّاق" اور "العلیم" ہونے کا یقین اور وقوعِ قیامت پر ایمان رکھنے والے "داعیٔ حق" کے لئے لازم ہے کہ معاندین و مخالفین کی سزا و عقوبت کے مسئلے کو کاملۃً اللہ کے حوالہ کرتے ہوئے اور مستہزئین اور مستخرین کے ساتھ "صفح جمیل" اور "ھجرِ جمیل" کی روش اختیار کرتے ہوئے اپنی پوری توجہ کو دعوت، تبلیغ، نصیحت و تذکیر اور انذار و تبشیر پر مرکوز کئے رکھے اور نہ کسی جلد بازی کو راہ پانے دے نہ کسی اشتعال پذیری کو۔!!

اللّٰھُمَّ وفقنا لذالك برحمتك یا ارحم الراحمین!

---

(۲)

اگلی دو آیات (آیت ۸۷ و ۸۸) میں ارشاد ہوتا ہے:

"وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ یعنی" اور ہم نے آپ کو عطا فرمائے سات جوڑے یا سات دوہرائی جانے والیاں اور قرآنِ عظیم (پس) ہرگز آنکھ اٹھا کر نہ دیکھو اُس دنیوی ساز و سامان کو جو ہم نے ان کے مختلف گروہوں کو دے رکھا ہے اور نہ ان کے حال پر غم سے ہلکان ہو، اور جھکائے رکھو اپنے بازو اہل ایمان پر (شفقت کے ساتھ)!"

ان میں سے پہلی آیت میں اللہ تعالےٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر براہِ راست اور آپؐ کی اُمت پر آپؐ کی وساطت سے اپنے اس احسانِ عظیم کا ذکر فرمایا ہے جو نزولِ قرآن کی صورت میں ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کائنات کی سب سے بڑی دولت اور نوعِ انسانی کے حق میں اللہ کی سب سے بڑی نعمت قرآنِ حکیم ہے جو اُس کی ہدایتِ تامہ کا جامع و کامل مرقع بھی ہے اور اس کی رحمانیت کا مظہرِ اتم بھی۔ یہی وجہ ہے کہ جن پر وہ نازل ہوا وہ "رحمۃٌ للعالمین" قرار پائے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم

ـــ "نوعِ انساں را پیامِ آخریں ـــ حاملِ اُو رحمۃٌ للعالمین !" فصلّی اللّٰہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلّم! پھر اس میں بھی ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ دعوتِ حق کی راہ کی مشکلات سے نبرد آزمائی میں داعیٔ حق کا اصل سہارا قرآن مجید ہی ہے۔ جس کی آیاتِ بیّنات گویا کہ اس راہ کے راہیوں کی پشتیبانی کرنے والے ملکوتی لشکر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دعوتِ حق کے مختلف مراحل کے دوران جب بھی مشکلات و مصائب کا ہجوم ہوتا تھا اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن حکیم ہی کی تلاوت کی جانب خصوصی توجہ کی ہدایت ہوتی تھی جیسے سورۂ عنکبوت میں فرمایا: "اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ" یعنی "تلاوت کرو اس کی جو نازل کیا گیا تمہاری طرف کتاب میں سے اور قائم رکھو نماز کو!" ـــ اسی طرح سورۂ کہف میں فرمایا: "وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝" یعنی "پڑھا کرو جو وحی کیا گیا ہے تمہاری جانب تمہارے رب کی کتاب میں سے، کوئی بدلنے والا نہیں ہے اُس کی باتوں کا، اور ہرگز نہ پاؤ گے تم (اپنے لئے) اس کے سوا کوئی جائے پناہ!"

تاہم اس مقام پر علمِ تفسیر کا اہم مسئلہ یہ ہے کہ "سَبعًا من المثانی" سے کیا مراد ہے ـــ اور "والقرآن العظیم" میں حرفِ واؤ، واوِ عطف ہے یا واوِ تفسیر؟ اس سوال کے جواب کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں: ایک یہ کہ عربی لغت اور قواعد کی اساس پر عقلی استدلال کے ذریعے گتھی کو سلجھایا جائے اور دوسرے یہ کہ تلاش کیا جائے کہ آیا کوئی مرفوع حدیث ایسی ملتی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس خود اس گتھی کو حل فرما دیا ہو۔ جہاں تک مقدم الذکر طریق کا تعلق ہے تو اگرچہ اس میدان میں بہت سے لوگوں نے عقل کی جولانیاں دکھائی ہیں لیکن قابلِ ذکر رائے صرف تفسیر و تاویلِ قرآن کے اُس جدید مکتبِ فکر کی ہے جس کا آغاز صاحبِ "نظامُ القرآن"، مولانا حمید الدین فراہیؒ سے ہوا ہے۔ اس رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ "مثنیٰ" عربی زبان میں کہتے ہیں اُس چیز کو جو دو دو کی شکل میں ہو۔ تو قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیبِ مصحف میں اس طرح ہے کہ مکی اور مدنی سورتوں کے سات جوڑے وجود میں آ گئے ہیں۔ جن میں سے ہر جوڑے کا آغاز ایک یا ایک سے زائد

مکی سورتوں سے ہوتا ہے اور اختتام ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر۔ اس طرح ان سات جوڑوں نے قرآن عظیم کی صورت اختیار کر لی ہے۔ گویا "سبعاً من المثانی" سے مراد پورا قرآن مجید ہے اور "والقرآن العظیم" میں واو، واؤ تفسیر ہے۔ مؤخر الذکر طریق کے ضمن میں الحمد للہ کہ ہمیں ایک صحیح اور مرفوع حدیث مل جاتی ہے جس کو امام ترمذیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبی ابن کعبؓ سے فرمایا: "کیا تم پسند کرتے ہو کہ میں تمہیں قرآن کی وہ سورت سکھاؤں جس کے مثل کوئی اور سورت نہ تورات میں نازل ہوئی نہ انجیل میں اور نہ خود قرآن میں؟" اس پر حضرت ابی ابن کعبؓ نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول ضرور فرمایئے!" اس پر آنحضورؐ نے پھر فرمایا: "اچھا ذرا سناؤ تو سہی تم نماز میں کیا پڑھتے ہو" تو حضرت ابی ابن کعبؓ نے سورۃ فاتحہ پڑھی۔ تب آنحضورؐ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ ہے وہ سورت جس کے مثل نہ تورات میں نازل ہوئی نہ انجیل میں اور نہ ہی اس کے مثل کوئی اور سورت خود قرآن میں ہے۔ اور یہی ہے "سبعاً من المثانی" اور یہی ہے وہ قرآن عظیم جو مجھے عطا کیا گیا ہے" — اوکما قال صلے اللہ علیہ وسلم۔

ان دونوں آراء میں سے قطعی اور حتمی رائے تو یقیناً دوسری ہی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً منقول ہے، البتہ اعجازِ قرآنی سے یہ بھی ہرگز بعید نہیں ہے کہ پہلی رائے بھی اپنی جگہ صحیح ہو اور قرآن کے الفاظ متحمل المعنیین ہوں۔ واللہ اعلم!! —

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول رائے کی مزید توثیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں سورۃ بقرہ کی آیت ۴۵ میں بنی اسرائیل سے اور آیت ۱۵۳ میں مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ "استعینوا بالصبر والصلوٰۃ" — یعنی "مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے!" — اور بعض دوسری احادیث، جیسے حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے مروی حدیثِ قدسی جسے امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے، سے ثابت ہوتا ہے کہ "الصلوٰۃ" کا مصداق کامل و اتم سورۃ فاتحہ ہی

ہے ۔ اس طرح گویا ایک بندۂ مومن کے لئے بالعموم اور ایک داعیٔ حق کے لئے بالخصوص جملہ مشکلات و موانع کے مقابلے میں سب سے بڑا ہتھیار سُورۂ فاتحہ ہے ـــ جو گویا ہر فتح باب کی کلید ہے !! واضح رہے کہ سُورۂ فاتحہ کی بالاتفاق سات آیات ہیں ۔ (جو حضرات بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ میں شامل قرار دیتے ہیں ۔ وہ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضّالین ' کو ایک آیت مانتے ہیں اور جو آیت بسم اللہ کو شامل نہیں قرار دیتے وہ 'صراط الذین انعمت علیھم ' کو جدا آیت مانتے ہیں اور ' غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ' کو جدا ـــ بہر صورت سُورۂ فاتحہ کی کُل آیات کی تعداد سات ہی رہتی ہے) پھر یہ بھی معلوم ہے کہ یہ سُورۂ مبارکہ ہماری نماز کی ہر رکعت کا جزو لاینفک ہے ۔ اس طرح یہ بار بار دہرائی جانے والی سات آیات ہیں ' جو گویا مسلمان کے لئے زندگی بھر کا دائمی وظیفہ ہیں ۔

ان تفسیری اشکالات سے قطع نظر ' اس آیۂ مبارکہ کا اصل مدلول جو خاص طور پر اس کے سیاق وسباق سے متعیّن ہوتا ہے یہ ہے کہ ہر مسلمان کو بالعموم اور ہر داعیٔ حق کو بالخصوص یہ حقیقت مستحضر رکھنی چاہیئے کہ کائنات کی سب سے بڑی دولت اور اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت قرآن مجید ہے جس کا لب لباب اور خلاصہ سُورۂ فاتحہ ہے ۔ جب یہ حقیقت دل و دماغ میں پوری طرح راسخ ہو جائے گی تو دنیا کا کُل مال و متاع اور سارا ساز و سامان ہیچ نظر آنے لگے گا اور دُنیا کی کسی بھی شئے کی نہ عظمت دل میں قائم ہو گی نہ اُس کی کسی قدر قیمت کا احساس قلب میں جاگزیں ہو گا ۔ چنانچہ یہی ہے وہ حقیقت جو اگلی آیت یعنی آیت ۸۸ میں کھول کر بیان کر دی گئی کہ : "لا تمدّنّ عینیک الیٰ ما متّعنا بہٖ ازواجًا منھم" یہاں 'منھم' سے مراد ظاہر ہے کہ کفّار و مشرکین بالخصوص اُن کے سردار اور چوہدری ہیں ۔ جن کے پاس انواع و اقسام کی دولت و ثروت کے انبار جمع تھے چنانچہ کسی کے پاس زر و سیم کے ڈھیر تھے تو کسی کے پاس جائداد کی بھر مار تھی ـــ کوئی مال مویشی کثرت سے رکھتا تھا تو کسی کے پاس خدم و حشم کی فوج ظفر موج تھی ۔ اور یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن سے ہر انسان اپنی طبعی کمزوری کے باعث کم و بیش ضرور متاثر ہوتا ہے ۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر یہ تأثر کسی ادنیٰ درجے میں بھی کسی داعیٔ حق کے دل پر سایہ فگن ہو جائے تو اس کی ساری محنت اکارت ہو سکتی ہے اور پوری دعوت کسی غلط رُخ پر پڑ سکتی ہے ۔

لہٰذا یہاں نہایت تاکیدی انداز اختیار کیا گیا ہے کہ تمہاری نگاہ ہرگز اُس مال و متاع دنیوی کی جانب نہ اٹھنے پائے۔ جس کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم نے نہایت عمدہ پیرائے میں فرمایا ہے کہ ؎

"یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند بتانِ وہم و گماں، لا الٰہ الا اللہ!"

واضح رہے کہ یہ مضمون اتنا اہم ہے کہ بعینہٖ ان ہی الفاظ میں سورۂ طٰہٰ کی آیت ۱۳۱ میں بھی وارد ہوا ہے، ان الفاظ مبارکہ کے اضافے کے ساتھ کہ "زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝" ۔ غور کا مقام ہے کہ یہاں ایک طرف تو مال و اسباب دنیوی کی نہ صرف یہ کہہ کر تحقیر فرمائی گئی کہ یہ سب حیاتِ دنیا کی چمک دمک ہے اور بس! بلکہ تصویر کا دوسرا رُخ بھی دکھا دیا گیا جو زیادہ قابل حذر ہے یعنی یہ کہ سب فتنہ و ابتلاء کا ذریعہ ہیں۔ اور دوسری طرف اس کے مقابل میں اصل وقیع اور قابل قدر شے کا ذکر بھی کر دیا گیا یعنی۔ "تیرے رب کا رزق" جو "بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی!" ۔ اب ظاہر ہے کہ ان اوصاف کا حامل کامل اور مظہر اتم سوائے کلام الٰہی کے اور کونسی چیز ہو سکتی ہے۔ گویا سورۂ طٰہٰ میں جسے رزقِ رب سے تعبیر فرمایا گیا وہی زیر درس مقام پر "سبعًا من المثانی" اور "قرآنِ عظیم" کے الفاظ مبارکہ میں مذکور ہے!

دعوتِ حق کے مخالفین اور معاندین کی دولت و ثروت اور دنیوی حیثیت و وجاہت سے ایک داعیٔ حق ایک اور اعتبار سے بھی متاثر ہوتا ہے اور وہ یوں کہ یہ چیزیں عوام الناس میں اُن کے اثر و رسوخ کا سبب بنتی ہیں اور وہ انہیں دعوتِ حق کی راہ روکنے کے لئے وسائل و ذرائع کے طور پر استعمال کرتے ہیں، چنانچہ یہ ہے، وہ بات جو سورۂ یونس کی آیت ۸۸ میں وارد شدہ حضرت موسیٰؑ کے قول میں بیان ہوئی ہے کہ: "رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ" یعنی "پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو حیاتِ دنیوی کا کل ساز و سامان اور زینت و آرائش عطا فرما رکھی ہے، پروردگار! تاکہ وہ (لوگوں کو) بہکائیں تیری راہ سے!" ۔ اس وسوسے کا ازالہ بھی اسی طور سے ممکن ہے کہ داعیٔ حق اس تاثیر پر نگاہ رکھے

جو اللہ نے اپنے کلام میں ودیعت کر رکھی ہے۔ دُنیا کا سارا ساز و سامان اور نگاہوں کو خیرہ کر دینے والی کُل شان و شوکت اپنی جگہ پر ـــ لیکن کلامِ الٰہی کا زورِ تاثیر اور قوتِ تسخیر سب سے بڑھ کر ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے مابین کوئی نسبت ہے ہی نہیں ـــ ع "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک!" بقول علامہ اقبال مرحوم ـــ

"اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ   در بغل داری کتابِ زندۂ!"

آخر میں فرمایا: ان کافروں اور مشرکوں اور مخالفوں اور معاندوں کے انجام کے خیال سے آپ کا دل غمگین نہ ہو اور آپؐ کی تمام تر توجہ اور عنایت و التفات اور شفقت و رحمت اہلِ ایمان کی جانب مبذول ہو جائے ـــ ان دونوں باتوں کے مابین باہمی ربط نہایت لطیف ہے۔ رسُول جس قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے بالعموم اُسی قوم کے افراد ہوتے تھے اور ایک تو ویسے بھی ان کی طبعِ سلیم میں ابنائے نوع کے لئے رحمت و شفقت کا مادّہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا تھا۔ پھر خاص طور پر اپنی قوم کے لوگوں کے لئے تو وہ سراپا رحمت و شفقت ہوتے تھے۔ چنانچہ ان کی قوم کے لوگ اپنے اعراض و انکار اور کفر پر اصرار کے باعث جس المناک انجام کے مستحق ہو چکے ہوتے تھے اُس کا خیال بھی رسُولوں کے لئے سوہانِ رُوح ہو جاتا تھا۔ گویا ان کے لئے دوگونہ مصیبت تھی ایک اُن کے اعراض و انکار ـــ بلکہ ان کی جانب سے تمسخر و استہزاء اور تکلیف و تعذیب کا دُکھ اور دوسرے ان کے دردناک انجام کا غم اور صدمہ! ـــ آیتِ زیرِ درس میں اصلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی وساطت سے تمام داعیانِ حق کو اس دوہرے بوجھ سے نجات دلانے کے لئے فرمایا کہ اپنی رحمت و شفقت کا رُخ کفار و معاندین کی جانب سے یکسر پھیر کر کُلیتہً اہلِ ایمان کی جانب کر دو! جو رحمت و شفقت اور عنایت و التفات کے اصل مستحق ہیں! ـــ جذبۂ رحمت کے اس طرح کُلیتہً اہلِ ایمان پر مرکوز ہو جانے سے داعیٔ حق کے قلب کو کم از کم اُس بوجھ سے تو نجات حاصل ہو جائے گی جو منکروں اور معاندوں کے انجامِ بد پر رنج و غم اور حزن و ملال کی صورت میں کمر دوہری کر دیتا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

(۳)

آیات ۸۹ تا ۹۳ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ۝ کَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَی الْمُقْتَسِمِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ۝ فَوَرَبِّکَ لَنَسْئَلَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

"اور کہہ دو کہ میں تو بس کھلا خبردار کر دینے والا ہوں - جیسے کہ ہم نے نازل فرمایا ان بانٹ لینے والوں پر جنہوں نے قرآن کو کر دیا پارہ پارہ - تو قسم ہے تیرے رب کی ہم ان سب سے باز پرس کر کے رہیں گے ان کے کرتوتوں کے بارے میں"۔

ان میں سے جہاں تک پہلی اور آخری دو آیات کا تعلق ہے ان کا مفہوم بالکل واضح ہے البتہ درمیانی دو آیات کا شمار بلاشبہ 'مشکلات القرآن' میں سے ہے۔ پہلی آیت میں تو وہ حقیقت بیان ہوئی ہے جو اکثر و بیشتر ابتدائی مکیات میں بتکرار و اعادہ سامنے آتی ہے یعنی انبیاء و رسل کی دعوت کا نقطۂ آغاز انذار ہے - یعنی آگاہ کر دینا یا خبردار کر دینا - واضح رہے کہ انبیاء کرامؑ کی دعوت کی نوعیت کو واضح کرنے والے الفاظ یا اصطلاحات میں سے جو سب سے زیادہ کثرت سے استعمال ہوتے ہیں وہ انذار اور تبشیر ہیں - چنانچہ جمع کے صیغے میں بھی یہ الفاظ بار بار آئے ہیں جیسے سورۂ نساء میں فرمایا "رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ" یا جیسے سورۂ کہف میں فرمایا "وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مبشرین ومنذرین" اور تعین کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب میں بھی یہ الفاظ متعدد مرتبہ آئے ہیں جیسے کہ سورۂ الفرقان اور سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا"۔ ایسے تمام مقامات پر یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ 'بشارت' کا ذکر ہمیشہ مقدم رہتا ہے 'انذار' پر گویا کہ اصولی اعتبار سے انذار کے مقابلے میں 'بشارت' زیادہ بنیادی اور اساسی حقیقت ہے — لیکن چونکہ رسولوں کی بعثت بگڑے ہوئے ماحول میں ہوتی تھی جہاں 'بشارت' کے مستحق لوگ معدوم کے حکم میں ہو چکے ہوتے تھے لہٰذا 'بشارت' کا کوئی موقع اور محل نہ رہ جاتا تھا۔ بقول

علامہ اقبال مرحوم سے "ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں، راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں!"
نتیجۃً آغازِ دعوت میں ہمیں صرف ایک ہی لفظ ملتا ہے اور وہ ہے 'انذار' کا جیسے سورۂ مدثر میں فرمایا: یاایھا المدثر قم فانذر" یعنی "اے لحاف میں لپٹ کر لیٹنے والے (صلی اللہ علیہ وسلم) کھڑے ہو جاؤ (یعنی کمر بستہ ہو جاؤ) اور (لوگوں کو) خبردار کرو!" یا جیسے سورۂ شعراء میں فرمایا" وانذر عشیرتك الاقربین" یعنی "خبردار کرو اپنے قریبی رشتہ داروں کو!" — وہی حقیقت آیتِ زیرِ درس میں بیان ہو رہی ہے" کہ کہہ دو کہ میں تو بس ایک کھلا خبردار کر دینے والا ہوں!" یعنی میرا فرضِ منصبی تمہیں لازماً راہِ راست پر لے آنا نہیں کہ اگر تم سیدھی راہ پر نہ آؤ تو میں ناکام قرار پاؤں بلکہ میری ذمہ داری محض خبردار کر دینے کی ہے اور وہ میں بہرصورت پوری کر رہا ہوں - خواہ تم ایمان لاؤ خواہ نہ لاؤ! واضح رہے کہ اس خبردار کر دینے میں دونوں پہلو شامل ہیں اوّلین اور اہم ترین آگاہی قیامِ قیامت اور وقوعِ جزاء سزا کی ہے - دوسری انکار و اعراض کی پاداش میں دنیا ہی میں عذابِ استیصال یعنی ہلاکت اور بربادی کی! اگلی دو آیات، جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے 'مشکلات القرآن' میں شمار ہوتی ہیں، - چنانچہ لفظ 'مقتسمین' کے بھی دو معنی کئے گئے ہیں ایک تقسیم کر لینے والے بانٹ لینے والے اور دوسرے قسم کھا لینے والے — پھر ان سے کون لوگ مراد ہیں اس کے بارے میں بھی دو رائیں ہیں ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگ یعنی مشرکین مکہ اور دوسرے سابقہ اُمتیں یعنی یہود اور نصاریٰ - اسی طرح قرآن سے یہاں کیا مراد ہے اس کے ضمن میں بھی دو رائیں ہیں ایک یہی قرآن مجید جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور دوسرے 'قرآنِ سابق' یعنی تورات اور انجیل - "عضین" عِضَۃٌ کی جمع ہے جس سے عضو بھی بنا ہے یعنی حصے، یا ٹکڑے یا اجزاء -

ان اختلافات کی بنا پر ان آیاتِ مبارکہ کی تفسیر و تاویل میں بہت سی آراء وجود میں آگئی ہیں جن میں سے زیادہ قابلِ التفات دو ہیں :

ایک یہ کہ ان آیات میں ذکر ہے یہود و نصاریٰ کا جنہوں نے اپنے قرآن یعنی تورات اور انجیل کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا - اس کی بعض باتوں کو مانا بعض سے

رُوگردانی کی، بعض کو ظاہر کیا اور بعض کو چھپایا۔ جیسے کہ سُورۂ بقرہ کی آیت ۸۵ میں فرمایا:

"أفتؤمنون ببعضِ الکتٰبِ وتکفرون ببعضٍ؟" یعنی "تو کیا تم ہماری کتاب کے بعض حصّوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے؟" یا جیسے سُورۂ انعام میں فرمایا:

"قُل مَن انزل الکتٰبَ الذی جآء بہٖ موسیٰ نورًا وّھدًی للناس تجعلونہٗ قراطیس تبدونھا وتخفون کثیرًا؟" یعنی "کہو کس نے اتاری تھی وہ کتاب جو موسیٰ لائے تھے لوگوں کے لئے روشنی اور ہدایت کے طور پر، جس کو تم نے ورق ورق کر ڈالا ہے، جنہیں تم ظاہر کرتے ہو اور بہت سوں کو چھپاتے ہو؟" بقول علامہ اقبال مرحوم سے "اڑائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے۔ چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری!" تو اگرچہ اہل کتاب کا یہ طرزِ عمل بھی اظہر من الشمس ہے اور یہ بات بھی کہ اصلاً اسی جُرم کی سزا تھی جو انہیں "ضُربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ وباءُوا بغضبٍ من اللہ" کی صورت میں ملی یعنی "ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے!" اس لئے کہ بعینہٖ اسی سزا کا ذکر ہے سُورۂ بقرہ کی آیت ۸۵ میں کہ "فما جزاءُ مَن یفعلُ ذالک منکم الاخزیٌ فی الحیٰوۃِ الدنیا ویوم القیٰمۃِ یُرَدُّونَ الی اشدّ العذاب" یعنی "جو کوئی بھی تم میں سے یہ طرزِ عمل اختیار کرے گا اُس کی سزا اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ دنیا میں ذلیل و خوار کر دیا جائے اور قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں جھونک دیئے جائیں" — تاہم اس میں کلام کیا جا سکتا ہے کہ آیا آیات زیرِ درس کا مفہوم و مدلول یہ ہے یا نہیں؟ — البتہ اس تفسیر و تاویل کا یہ پہلو بہت اہم ہے کہ ہم مسلمانوں نے بھی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کے عین مطابق کہ "لیاتینّ علےٰ اُمّتی کما اتٰی علٰی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل" یعنی "میری اُمت پر بھی وہ تمام حالات و کوائف وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر ہوئے۔ بالکل ایسے جیسے ایک جوڑے کی ایک جوتی دوسری جوتی کے مشابہ ہوتی ہے!" اپنے قرآن کے ساتھ یہی معاملہ

کیا ہے کہ بعض احکام پر تو پورے شدّ و مدّ کے ساتھ عمل ہے گویا وہ تو سر آنکھوں پر ہیں اور بعض کی جانب سے بالکل آنکھیں بند کرلی ہیں گویا، نعوذ باللہ من ذالک، انہیں پاؤں تلے روند ڈالا ہے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اگر ذرا وقتِ نظر سے جائزہ لیا جائے تو صاف نظر آجائے گا کہ مختلف گروہوں اور فرقوں اور مسلکوں نے قرآن کی آیات کو بھی باہم تقسیم کرلیا ہے چنانچہ کسی کا شغف بعض آیات سے ہے اور کسی اور کا بعض دوسری آیات سے۔ پورے کا پورا قرآن الّا ماشاء اللہ کسی کے بھی پیشِ نظر نہیں ہے! — چنانچہ جس سزا کا ذکر اوپر ہوا ہے اُس کی مکمل تصویر آج کی اُمّتِ مسلمہ پیش کر رہی ہے کہ ذلت و رسوائی اور نکبت و ادبار کی کوئی صورت ایسی نہیں ہے جو آج ہم میں نہ پائی جاتی ہو۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

آیات زیرِ درس کی دوسری تاویل جو اس سورۂ مبارکہ کے زمانۂ نزول سے زیادہ ہم آہنگی اور مطابقت کی حامل ہے یہ ہے کہ اس سے مراد اشرارِ قریش ہیں جنہوں نے "بازی بازی باریش بابا ہم بازی" کے مصداق قرآن مجید کو بھی اپنے استہزاء و تمسخر کا ہدف بنایا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ قرآن مجید کی سورتوں کے نام لے لے کر از راہِ مذاق کہا کرتے تھے کہ یہ تو میری ہے وہ تم لے لو۔ مزید برآں اُس کے الفاظ اور جملوں کو سیاق و سباق سے کاٹ کر ان پر طنز و تعریض کرتے تھے۔ اس طرح گویا وہ آپس کے شغلِ مذاق میں قرآن کا قیمہ کرتے تھے۔ اور اُس سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ "مقتسمین" سے ایک مراد یہ بھی لی گئی ہے کہ اس میں اشارہ ہے اُن کے اس طرزِ عمل کی جانب کہ انہوں نے مکّہ آنے والے تمام راستوں کو باہم تقسیم کرلیا تھا۔ گویا مکّہ کی ناکہ بندی کرلی تھی اور ہر راستے اور ناکے پر کچھ لوگ معیّن تھے جو آنے والوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشگی برگشتہ و بدظن کرتے تھے مبادا ان کی ملاقات حضورؐ سے ہو اور وہ آپؐ کی دعوت سے متاثر ہو جائیں — اور کوئی عجب نہیں کہ یہ لوگ اپنے اس مذموم مقصد کے لئے قرآن مجید کی آیات کو توڑ مروڑ کر اور قطع و برید اور کتر بیونت کے ذریعے انہیں بھونڈا بنا کر پیش کرتے ہوں۔ واللہ اعلم — ویسے اس معنی میں بھی آج کا نام نہاد مسلمان بھی ہرگز ان اشرارِ قریش سے پیچھے نہیں رہا۔ چنانچہ آج کے مغرب پرست اور اباحت پسند

مسلمان ، دانشور جس طرح قرآن مجید کو بازیچۂ اطفال بنائے ہوئے ہیں وہ تو اظہر من الشمس ہے ہی - خود علماءِ سُوء کا یہ طرزِ عمل بھی ہرگز ڈھکا چھپا نہیں ہے کہ ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں — ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!

آخری دو آیات میں اُنکی ان حرکتوں سے جو دُکھ اور رنج آنحضورؐ کو فطری طور پر پہنچتا ہوگا اور جس حُزن و ملال سے آپؐ دوچار ہوتے ہوں گے اُس کے ازالے اور آپؐ کی تسلّی و تشفّی اور دلجوئی کے لئے فرمایا کہ آپؐ مطمئن رہیں ہم ان سب کا پورا پورا مواخذہ کر کے رہیں گے اور یہ اپنی ان شرارتوں کی سزا سے کسی طور بچ نہ سکیں گے —— یہ گویا ایک بار پھر وہی مضمون بقول " اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں!" کے مصداق دوہرا دیا گیا ہے جو اس سے قبل آیت ۸۵ میں " وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ " کے الفاظ میں وارد ہو چکا ہے - یعنی " قیامت یقیناً آکر رہے گی پس آپ (سرِ دست) درگزر سے کام لیں اور کیا کریں خوبصورتی کے ساتھ!"

واضح رہے کہ لوگوں کی جانب سے طنز و تعریض اور تمسخر و استہزاء کی جو شدّت دعوتِ نبویؐ کے اُس خاص دَور میں تھی اور اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل جس طرح کڑھتا تھا اُس کا نقشہ سُورۂ حجر کی آخری پندرہ آیات کے ایک ایک لفظ میں جھلکتا ہے - اور اس صُورتِ حال میں اللہ تعالیٰ کی شفقت و عنایت بھی جس شدّت کے ساتھ آنحضورؐ کے شاملِ حال ہوتی تھی اُس کا اندازہ بھی لفظ لفظ سے ہو سکتا ہے - بالخصوص یہاں اللہ نے خود اپنی قسم کھائی لیکن " فَوَرَبِّكَ " کے الفاظ میں یعنی " اے نبیؐ! آپ کے رب کی قسم!" —— اس اسلوب میں جو شفقت و عنایت اور اپنائیت مضمر ہے اسے تو ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے - البتہ اسی سُورۂ مبارکہ کی آیت ۷۲ میں " لَعَمْرُكَ " کے الفاظ میں جو اللہ نے فرمایا کہ " اے نبیؐ! ہمیں آپؐ کی جان کی قسم!" تو اس میں جو کیف و سرور اور تاثیر مضمر ہے اُسے تو کوئی صاحبِ دل اور صاحبِ حال ہی جان سکتا ہے ؟ —— اور ان سب سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اُس طنز و طعن اور تمسخر و استہزاء سے آنحضورؐ کس درجے رنجیدہ اور غمگین ہوتے تھے اور آپؐ کے قلبِ اطہر کو کتنی تکلیف پہنچتی تھی - فصلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم ! -

(۴)

آیات ۹۴ تا ۹۶ میں ارشاد ہوتا ہے:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝

"تو کہہ دو ڈنکے کی چوٹ جس کا حکم تمہیں ہوا ہے۔ اور قطعاً پرواہ نہ کرو مشرکوں کی۔ ہم کافی ہیں تمہاری جانب سے ان مذاق اُڑانے والوں سے نمٹنے کے لیے جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی معبود بناتے ہیں۔ سو عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا!"

ان آیاتِ مبارکہ میں جو پہلا حکم وارد ہوا ہے وہ اس سُورۃ مبارکہ کے زمانۂ نزول کی حتمی اور قطعی تعیین میں مزید مُمد ہی نہیں فیصلہ کن ہے۔ یہ معلوم و مشہور ہے کہ دعوتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ابتدائی تین سالوں کے دوران تبلیغ کا انداز اور طریق "خفیہ" تو نہیں البتہ "خفی" ضرور رہا۔ یعنی بات کھلم کھلا اور ڈنکے کی چوٹ نہیں تھی بلکہ زیادہ تر ذاتی و نجی روابط و مراسم کی بنیاد پر انفرادی گفتگوؤں اور ملاقاتوں یعنی PERSONAL CONTACTS کے ذریعے آگے بڑھ رہی تھی۔ تا آنکہ یہ حکم نازل ہوا کہ "فاصدع بما تؤمر" یعنی اب جس پیغام کے پہنچانے کا آپؐ کو حکم ہوا ہے اسے واشگاف الفاظ میں، ہانکے پکارے علی الاعلان پہنچائیں اور جن حقائق کا انکشاف آپ پر ہوا ہے اُن کا ڈنکے کی چوٹ اعلان کریں — کتبِ سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اِسی حکم پر عمل تھا جو آپؐ نے اس طرح کیا کہ کوہ صفا پر چڑھ کر بلند آواز سے پکار لگائی "واصباحاہ" یعنی "ہائے وہ صبح جو آیا چاہتی ہے!" عربوں کا معمول تھا کہ اگر کسی شخص کو کسی دوسری قوم یا قبیلے کی جانب سے حملے اور غارتگری کے منصوبے کی اطلاع پہنچتی تھی تو وہ مادر زاد برہنہ ہو کر کسی بلند مقام پر کھڑا ہو جاتا تھا اور بلند آواز سے پکارتا تھا "واصباحاہ" اس لئے کہ قبائلی حملے اور لوٹ مار عام طور پر علی الصبح ہوتے تھے جبکہ لوگ نسیم سحری کی تھپکیوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہے ہوتے تھے — اس

طرح برہنہ ہوکر خطرے کی دُہائی دینے والے کو عرب "نذیرعُریان" کہتے تھے۔ اس طریق کار میں آنحضورؐ نے صرف یہ ترمیم کی کہ آپؐ برہنہ تو نہ ہوئے اس لئے کہ اس کا تو کوئی امکان ہی آپؐ کے معاملہ میں نہ تھا ــــ باقی سارا طریقہ آپؐ نے وہی اختیار کیا جس کا رواج تھا ــــ اس سے ایک اہم اور بنیادی رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ ہر دَور اور ہر مقام پر منہاجِ نبویؐ پر دعوت کا عَلَم بلند کرنے والوں کے لئے لازمی ہے کہ اپنے زمان و مکان کے حالات و کوائف کو پوری طرح مدّنظر رکھیں اور نہ صرف یہ کہ لوگوں سے بات اُن کی ذہنی سطح کے مطابق کریں بلکہ ان تک اپنی دعوت انہی طریقوں اور راستوں (یعنی CHANNELS) کے ذریعے پہنچائیں جن کے وہ عادی ہوتے ہیں ــــ بہرحال جب آنحضورؐ کی نِدا پر لوگ اپنے کام کاج چھوڑ کر جمع ہو گئے تو آپؐ نے اپنی دعوت پیش فرمائی اور اس طرح گویا کہ پہلا جلسۂ عام منعقد کیا ــــ اور "فاصدع بما تؤمر" کے حکم ربانی پر تمام و کمال یعنی IN LETTER AS WELL AS IN SPIRIT عمل کیا۔ فصلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلّم۔

یہ دوسری بات ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پہلی عوامی سطح پر دعوتی و تبلیغی کوشش بظاہر احوال بالکل ناکام ہوئی۔ اور مجمع میں سے کسی نے بھی بات سُن کر لبیک نہ کہا۔ بلکہ آپؐ کے سگے چچا ابو لہب نے درشتی اور بدتمیزی کے ساتھ کہا "تبالك! أَلِهٰذا جمعتنا!" یعنی نقل کفر کفر نہ باشد، "تمہارے ہاتھ ٹوٹ جائیں! کیا تم نے ہمیں اس کام کے لئے جمع کیا تھا؟" جس پر نزول ہوا سُورۂ لہب کا جس نے ابو لہب کی ہلاکت اور بربادی کا پیشگی اعلان فرمادیا ایسے قطعی اور یقینی انداز میں گویا کہ وہ اس انجام سے فی الواقع دوچار ہو چکا ہے "تبت یدا ابی لھب وتب ہ ما اغنی عنہ مالہٗ وما کسب ہ" "ٹوٹ گئے ہاتھ ابولہب کے اور وہ ہلاک ہو چکا۔ اور اس کے کچھ کام نہ آسکا اُس کا مال اور جو کمائی اس نے کی!"

"فاصدع بما تؤمر" کے ساتھ ہی فرمایا: "واعرض عن المشرکین" یعنی "رُخ پھیر لیجئے آپ ان مشرکوں سے!" ــــ یہ پھر وہی بات ہے جو اس سے

قبل " فاصفح الصفح الجميل " کے الفاظ مبارکہ میں وارد ہو چکی ہے - اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ان کی ہرگز کوئی پرواہ نہ کریں — ان کی مخالفت ہو یا دشمنی اور تمسخر ہو یا استہزاء، یہ نہ آپ کا بال بیکا کرسکیں گے نہ ہی آپ کی دعوت کی راہ روک سکیں گے -

یہاں مخالفین اور معاندین کے لئے " مشرکین " کا لفظ استعمال کرکے اشارہ فرما دیا کہ یہ صرف آپؐ ہی کے دشمن نہیں ہمارے بھی دشمن ہیں - بلکہ ان کی اصل دشمنی تو آپؐ سے نہیں ہم سے ہے - شرک ایسے قبیح و شنیع فعل کا ارتکاب کرکے دراصل انہوں نے ہمارے حرم میں نقب لگائی ہے - گویا ان کی اصل جنگ آپؐ سے نہیں ہم سے ہے! یہ مضمون سورۂ انعام کی آیت ۳۳ میں نہایت واضح الفاظ میں آیا ہے : " قد نعلم انہ لیحزنک الذی یقولون فانھم لایکذبونک ولکن الظلمین بایٰت اللہ یجحدون ٥ " یعنی " ہمیں خوب معلوم ہے کہ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں اس سے آپ کو صدمہ پہنچتا ہے لیکن اصل میں تو یہ لوگ آپؐ کو نہیں جھٹلا رہے بلکہ یہ ظالم تو اللہ تعالٰے کی آیات کا انکار کررہے ہیں!" — واضح رہے کہ زیرِ درس مقام پر بھی ذرا آگے چل کر یہی الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ " ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون " یعنی " ہم خوب جانتے ہیں کہ جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں اُس سے آپ کو اپنے سینے میں گھٹن محسوس ہوتی ہے! " — اصل بات جس پر زور دینا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ ان کی جنگ ذاتی طور پر آپؐ سے نہیں بلکہ ہم سے ہے - سورۂ انعام کی آیت میں اس کی جانب اشارہ کیا ان الفاظ میں کہ آپؐ کو تو اِن میں سے کسی بدترین سے بدترین دشمن نے بھی ذاتی طور پر جھوٹا نہیں کہا - ان کے انکار اور تکذیب کا اصل ہدف تو ہماری آیات بیّنات ہیں! اور آیتِ زیرِ درس میں اُن کے اصل جرم یعنی شرک کی جانب اشارہ فرما کر واضح کردیا کہ ان کی جنگ اصلاً آپؐ سے نہیں ہم سے ہے!!

چنانچہ آیت ۹۶ میں " الذین یجعلون مع اللہ الٰھا آخر " کے فوراً بعد " فسوف یعلمون " کے الفاظ میں دھمکی دیدی گئی کہ یہ زیادہ

دیر کی بات نہیں، عنقریب ان کو اپنی اس گستاخی اور اللہ کی توحید کے حرم میں نقب زنی کی بھرپور سزا مل جائے گی۔ اس میں بھی جہاں کفار و مشرکین اور مخالفین و معاندین کے لئے زجر و توبیخ اور وعید شدید مضمر ہے وہاں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے لئے دلجوئی اور تسلّی و تشفّی کا سامان ہے۔ کسی دُکھے ہوئے دل کے لئے یہ اطمینان بھی یقیناً مرہم کا کام دیتا ہے کہ ایک دن آنے والا ہے جب ظالم کیفر کردار کو پہنچ کر رہیں گے۔ اور انہیں اپنے کئے کی بھرپور سزا مل جائے گی۔ گویا یہاں پھر وہی حقیقت ایک بار اور سامنے لے آئی گئی جو اس سے قبل "اِنَّ السَّاعَۃَ لَاٰتِیَۃٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیْل" کے الفاظ میں بیان ہوئی تھی۔ گویا سورۂ حجر کی آخری پندرہ آیات کے مضامین میں نہ صرف یہ کہ نہایت گہرا ربط معنوی موجود ہے بلکہ ایک مدورجہ حسین تسلسل بھی پایا جاتا ہے۔

درمیانی آیت میں آئی ہے اصل فیصلہ کن بات یعنی "اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَہْزِءِیْنَ" یعنی "یقیناً ہم کافی ہیں آپ کی جانب سے ان استہزاء اور تمسخر کرنے والوں سے نمٹنے کے لئے!" یعنی جب ان کی اصل جنگ آپؐ سے نہیں ہم سے ہے — تو پھر مدافعت کی اصل ذمہ داری بھی ہماری ہی ہے نہ کہ آپؐ کی۔ چنانچہ یہی بات ہے جو بعد میں جب مسلمانوں کی جمعیت معتدبہ ہو گئی اور داعی کی حیثیت صرف آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نہ رہی بلکہ مسلمانوں کی ایک پوری جماعت اس مقام پر فائز ہو گئی تو جمع کے صیغے میں سورۂ حج کی آیت نمبر ۳۸ میں فرمایا "اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" یعنی "اللہ مدافعت فرمائے گا اہل ایمان کی جانب سے!" اس لئے کہ وہ اپنی نہیں اللہ کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

یہاں "کَفَیْنٰکَ" کے الفاظ بہت قابلِ توجہ ہیں۔ گویا وعدہ صرف نصرت اور مجرد تائید کا نہیں ہے بلکہ اتنی نصرت و تائید کا ہے جو مخالفوں کی مخالفت اور دشمنوں کی دشمنی اور اُنکی جملہ چالوں اور ہتھکنڈوں اور کل قوت و شوکت کے مقابلے میں کفایت کر جائے۔ یہی بات ہے جو سورہ حج میں محولہ بالا مقام پر اگلی آیت میں "وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِہِمْ لَقَدِیْرٌ" کے الفاظ میں وارد ہوئی۔ یعنی "یقیناً

اللہ تعالےٰ اُن کی نصرت کی پوری قدرت رکھتا ہے،" اور ظاہر ہے کہ یہی ہے وہ چیز جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اصل تسلی اور تشفی مضمر ہے - اس لئے کہ آنحضورؐ کی اصل آرزو غلبۂ حق کی تھی اور اس کی سعی کہ حق روزِ روشن کی طرح ظاہر و عیاں ہوجائے اور باطل کی تاریکیاں کافور ہوجائیں بخوائے الفاظِ قرآنی ــــ وَقل جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً" ــــ یعنی "(اے نبی) کہہ دو کہ حق آگیا اور باطل نابود ہوگیا ــــ اور باطل تو ہے ہی نابود ہوجانے والی شئ!" ــــ گویا حق کی فتح یقینی اور باطل کی شکست شدنی ہے -

اللہ تعالےٰ ہمیں بھی حق کا ساتھ دینے اور باطل سے نبرد آزما ہونے کی توفیق عطا فرمائے - اور اس راہ میں ہر دشمنی اور مخالفت اور ہر تمسخر و استہزاء کو برداشت کر جانے کی ہمت عطا فرمائے !!!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ــــ

---

(۵)

آیات ۹۷ تا ۹۹ میں ارشاد ہوتا ہے -

" وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ "

" ہمیں خوب معلوم ہے کہ آپؐ کا دل کڑھتا ہے اس پر جو یہ لوگ کہتے ہیں - پس آپؐ تسبیح کریں اپنے رب کی اُس کی حمد کے ساتھ اور شامل ہوجائیں سجدہ کرنے والوں میں - اور بندگی کئے جائیں اپنے رب کی یہاں تک کہ آپہنچے آپ کے پاس یقینی بات !" -

ان آیاتِ مبارکہ پر اللہ تعالےٰ کا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ خصوصی خطاب ختم ہورہا ہے جو سورۂ حجر کی آخری پندرہ آیات میں تسلسل کے ساتھ وارد ہوا ہے -

ان میں سے پہلی آیت میں تمسخر و استہزاء کا وہ فطری ردِّ عمل بیان ہوا ہے

جو آنحضورؐ کی طبع مبارک پر ہوتا تھا۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور قرآن حکیم حقائق فطرت کو تسلیم بھی کرتا ہے اور اُنکی وضاحت بھی باحسنِ وجوہ کرتا ہے۔ تمسخر اور استہزاء پر دُکھ، درد، رنج وغم، حزن، ملال، پریشانی اور اضطراب ایسی کیفیات کا نفسِ انسانی میں پیدا ہونا بالکل فطری اور طبعی امر ہے۔ اور اس سے انبیاء ورسل بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ بالکل اس طرح جیسے اُن کے اجسام واجساد کے ساتھ جملہ بشری تقاضے موجود تھے۔ چنانچہ انہیں بھوک اور پیاس بھی محسوس ہوتی تھی اور ان کے مبارک جسموں پر بھی اگر تلوار کا وار لگتا تھا تو خون کے فوارے چھوٹتے تھے، اسی طرح ذہنی اذیت وکوفت اور قلبی پریشانی اور اضطراب بھی انہیں لاحق ہو جاتا تھا۔ چنانچہ یہاں سیّدالانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا کہ "ہمیں خوب معلوم ہے کہ آپ کا سینہ مبارک بھنچتا ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں!" توجب آپؐ کا معاملہ یہ ہے تو "تا بہ دیگراں چہ رسد!"

واضح رہے کہ صبر وتحمل اور عفو ودرگذر کا معاملہ بالکل دوسرا ہے۔ اُس سے دکھ اور رنج کی نفی نہیں ہوتی بلکہ عفو ودرگذر کی شان تو نکھرتی ہی اس طرح ہے کہ درد کا احساس ہو اور پھر معاف کیا جائے! ذہنی وقلبی اذیت پہنچ رہی ہو اور پھر بھی درگذر سے کام لیا جائے ـــــ ویسے قرآن، جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، کتابِ فطرت ہے ـــ چنانچہ اس میں انسان کی خلقی وطبعی کمزوریوں کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ خود فاطرِ فطرت ہے تو اس سے بڑھکر فطرتِ انسانی سے واقف اور کون ہوگا۔ جیسے سُورۂ مُلک میں فرمایا "الا یعلم من خلق ؟" اور اسی سُورۂ حجر میں فرمایا "ان اللّٰہ ھُوالخلّٰقُ العلیم" چنانچہ خود اُسی کا ارشاد ہے "خُلِقَ الانسانُ ضعیفًا" یعنی "انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے اور "ان الانسان خُلق ھلوعًا" یعنی "یقیناً انسان تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے" اور "خُلِقَ الانسان من عجل" یعنی "انسان میں خلقی طور پر عجلت پسندی موجود ہے!" ـــــ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مظلوم کی جانب سے بدگوئی کو قابلِ معافی قرار دیتا ہے بمصداقِ الفاظِ قرآنی "لایحبّ اللّٰہُ الجَھرَ بِالسُّوءِ من القول الا من ظُلِم" یعنی "اللہ کو بہت ناپسند ہے کہ بُرائی کے ساتھ زبان کھولی جائے سوائے اُس کے جس پر ظلم ہوا ہو۔" یعنی مظلوم اگر

بدگوئی پر بھی اُتر آئے تو قابلِ معافی ہے' ـــــ اسی کی ایک آخری مثال وہ قول ہے جو سُورۂ ہُود میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نقل ہوا یعنی " ان تسخروا منّا فانا نسخر منکم کما تسخرون" یعنی "اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو جان رکھو کہ ایک دن آئے گا کہ ہم بھی تمہارا اسی طرح مذاق اڑائیں گے جس طرح آج تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو!" ـــــ اب ظاہر ہے کہ یہ صرف ایک دُکھے دل کی صدا ہے' ورنہ بالفعل یہ ناممکن ہے کہ اللہ کا کوئی نبی یا رسُول اپنی قوم کے لوگوں کو مبتلائے عذاب دیکھ کر خوش ہو یا اُن کا مذاق اڑائے ۔ تاہم ایک فوری اور وقتی ردّعمل کے طور پر یہ کیفیت نہ غیر متوقع ہے نہ نامناسب!

اگلی دوؔ آیتوں میں اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے عملی ہدایات دی گئی ہیں اور یہ سب کی سب شرح و تفصیل ہیں سُورۂ مزمّل کی آیت ۸ میں وارد شدہ حکم کی یعنی " واذکر اسم ربّک وتبتّل الیہ تبتیلاً " ـــ یعنی "اپنے رب کے نام کی مالا جپو' اور ہر جانب سے منقطع ہو کر کلّیتہً اُسی کے ہو جاؤ!" ـــــ مقام زیرِ درس میں اسی مضمون کو تین حصّوں میں تقسیم کیا گیا ـ ایک اپنے ربّ کی تسبیح و تحمید دوسرے اُس کے سامنے سجدہ ریز ہونے والوں میں شمولیت اور تیسرے عبادت و بندگی ۔

'تسبیح و تحمید' اللہ کے ساتھ ذہنی و فکری تعلّق کی جامع تعبیر ہے' یہ دونوں ایک ہی تصویر کے دوؔ رخ ہیں ۔ تسبیح میں نفی کا اسلوب ہے' یعنی اس حقیقت کا ادراک و اعتراف کہ اللہ تعالٰی پاک ہے ہر نقص' ہر عیب' ہر ضعف' ہر احتیاج' اور ہر تقصیر سے!! ـ جبکہ حمد ایک مثبت حقیقت ہے یعنی اس حقیقت کا ادراک و اعتراف کہ اللہ کی ذاتِ بابرکات متصف ہے جملہ محاسن و کمالات سے بتمام و کمال ـــ ان دونوں سے معرفتِ خداوندی کی تکمیل ہو جاتی ہے ـ یہی وجہ ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا کہ: " التسبیحُ نصفُ المیزان والحمد للّٰہ تملؤہ " یعنی " تسبیح سے میزان (معرفت) نصف ہو جاتی ہے اور حمد سے پُر ہو جاتی ہے!" ـــــ اس تسبیح و تحمید کا جو ربط و تعلّق صبر و مصابرت سے ہے وہ سورۂ قٓ کی اس آیت میں بھی خوب نمایاں ہو کر آتا ہے کہ " فاصبر علٰے ما

یقولون و سبّح بحمد ربك قبل طلوع الشمس و قبل الغروب" یعنی "صبر کرو اس پر جو یہ کہتے ہیں اور تسبیح کرو اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ سورج کے طلوع ہونے سے قبل بھی اور غروب ہونے سے پہلے بھی!" اللّٰھمّ وفقنا لذالك!! —

سجدہ ایک جانب اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہارِ عجز و تذلّل کی انتہائی علامت ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا کہ "اَقرب مایکون العبد الی اللّٰہ فی السّجود!" یعنی بندہ اپنے ربّ سے قریب ترین حالت سجدہ میں ہوتا ہے!" اس لئے کہ اللہ سے بندے کو دُور کرنے والی اصل چیز اُس کی 'انانیت' ہی ہے۔ اور سجدہ اسی کی نفیٔ کلّی ہے۔ دوسری جانب سجدے میں کامل سپردگی اور حوالگی کی کیفیت ہے گویا کہ بندہ اپنے آپ کو اپنے ربّ کے قدموں میں لاڈالتا ہے — اور اپنے تئیں بالکلیہ اُس کے حوالے کر دیتا ہے بقول شاعر ؎

"سپردم بہ تو مایۂ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را!"

اور ظاہر ہے کہ یہی اسلام کا اصل حاصل اور دین کا کُل لبّ لباب ہے!

عبادت جامع اور کامل تعبیر ہے اُس عملی رویّے کی جو بندہ اپنی پوری زندگی میں اپنے ربّ کی جانب اختیار کرتا ہے۔ یعنی کُلّی اطاعت، اور کامل بندگی — مگر جذبۂ محبت سے سرشار ہو کر۔ نہ کہ کسی مجبوری کے تحت یا مارے باندھے کو، بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

"شوق اگر تو نہ ہو میری نماز کا امام میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب!"

اور ؎ "عقل و دل و نگاہ کا مرشد اوّلیں ہے عشق عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات!"

اس سورۃ مبارکہ کا آخری لفظ یعنی "الیقین" پھر مشکلاتُ القرآن میں سے ہے۔ صوفیانہ ذوق رکھنے والے لوگوں نے اس لفظ کو اپنے ظاہر پر برقرار رکھتے ہوئے مراد یہ لی ہے کہ 'عبادت کئے جاؤ یہاں تک کہ تمہیں یقینِ کامل حاصل ہو جائے'، اور پھر اپنے مخصوص انداز میں اس کی توجیہہ کی ہے — لیکن جمہور مفسّرین کے نزدیک یہاں "الیقین" سے مراد ہے "یقینی بات" یا "شدنی امر" اور پھر اکثر کے نزدیک اس سے مراد ہے "موت"، گویا مفہوم یہ ہوا کہ اپنے ربّ

کی تسبیح و تحمید، اطاعت و عبادت اور بندگی و غلامی میں لگے رہو یہاں تک کہ موت کا وقت آ پہنچے یعنی حیات دنیوی کا خاتمہ ہو جائے، بقول شاعر ؎

"اندریں رہ میتراش و میخراش تادم آخر دمے فارغ مباش!"

"الیقین" کے اس معنی کی توثیق سورۂ مدثر کی اُس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں اہل جہنم کا قول نقل ہوا ہے کہ "کنا نکذب بیوم الدین حتی اتانا الیقین" یعنی "ہم جزا و سزا کے دن کا انکار کرتے ہی رہے یہاں تک کہ موت نے ہمیں آدبوچا" — اور ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپؐ نے ایک فوت شدہ شخص کے بارے میں فرمایا: "اما ھو فقد جاءہ الیقین و انی لارجو لہ الخیر" یعنی "زیادہ شخص تو اس کو تو موت نے آ ہی لیا ہے - اور میں اُس کے بارے میں اچھی ہی اُمید رکھتا ہوں!" —

بعض حضرات نے "الیقین" سے مراد "شدنی امر" لیتے ہوئے اس میں ان تمام چیزوں کو شامل قرار دیا ہے جن کی خبر اللہ اور اس کے رسولؐ نے دی ہے اور جو شدنی اور یقینی ہیں یعنی نصرت خداوندی، غلبۂ حق اور شکستِ کفار و مشرکین۔ واللہ اعلم -

سورۂ حجر کی آخری تین آیات کا مضمون اگلی سورت یعنی سورۂ نحل کی آخری دو آیات سے بہت مناسبت رکھتا ہے یعنی "واصبر وما صبرک الا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون ۝ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون ۝" یعنی "تو صبر کیجئے اور آپؐ کا صبر اللہ ہی کے سہارے ہے، اور نہ ان پر غم کھائیے اور نہ ان کی چالوں سے دلگیر ہوئیے، یقیناً اللہ ساتھ ہے تقویٰ اور احسان کی روش اختیار کرنے والوں کے!"

اللھم ربنا اجعلنا منھم وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۝

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ

فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ

وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید : ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔

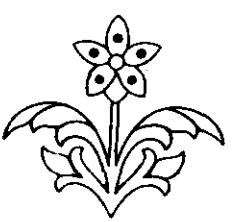

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲۔ ایسپرس روڈ۔ لاہور

اِنقلابِ دشمن طاقتوں کا خاتمہ

خلافتِ صدّیقی

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ٥ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ٥ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ٥ (سورۃ النصر)

ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ دُنیوی کے آخری چار سالوں کے دوران یعنی صلحِ حدیبیہ کے بعد آنحضورؐ کی جدوجہد نے واضح طور پر دو رُخ اختیار کر لئے یعنی ایک طرف آپؐ کی بعثتِ خصوصی "اِلٰی اہل العرب" کے مقاصد کی تکمیل کے ضمن میں پُورے جزیرہ نمائے عرب پر اللہ کے دین کا بالفعل قیام اور نفاذ اور دُوسری طرف آپؐ کی بعثتِ عمومی "اِلٰی کَافَّۃِ النَّاس" کے مقاصد کی تکمیل کے ضمن میں پیغامِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ تمام اقوام و ملل تک اور پورے کرۂ ارضی پر اللہ کے دین کا غلبہ اور اُسکے لئے سعی و جہد کا آغاز ۔۔۔

حجۃ الوداع کو اس ضمن میں ایک LAND MARK کی حیثیت حاصل ہے اس موقع پر ایک طرف یہ بات بالکل ظاہر ہو گئی کہ اب پورے جزیرہ نمائے عرب پر اللہ کا دین فیصلہ کن طور پر غالب ہو چکا ہے اور دُوسری جانب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثتِ عامّہ کے فرائض کی تکمیل کے لئے ساری ذمّہ داری اُمّت کے حوالے فرما دی یہ حکم دے کر کہ:۔

فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ

"اب پہنچائیں اس پیغام کو وہ لوگ جو یہاں ہیں اُن سب لوگوں کو جو یہاں موجود نہیں ہیں"

حجۃ الوداع سے واپسی کے فوراً بعد ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے نبی اکرمؐ کی رُوحِ مبارک اس عالم ناسُوت میں مزید قیام کے لئے بالکل تیار نہ ہو اور اس پر رفیقِ اعلےٰ کی جانب مراجعت کا جذبہ شدّت سے غالب آچکا ہو چنانچہ حج کے بعد آپؐ کی حیاتِ دُنیوی کے کُل ۸۰ یا ۹۰ دن ہیں۔ اس لئے کہ مختلف روایات کی رُو سے ۱۸ - ۱۹ یا ۲۸ یا ۲۹ صفر المظفر ۱۳ھ کو نبی اکرمؐ کے مرضِ وفات کا آغاز ہوگیا اور ۲ یا ۳ یا ۱۲ یا ۱۳ ربیع الاوّل کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ مبارک نے آپ کے جسدِ عنصری سے پرواز کرلی۔ آخری ایام میں بالکل ایسے محسوس ہوتا تھا کہ آپؐ پر اب اس دُنیا میں جو بھی لمحہ گذر رہا ہے۔ بڑا شاق گزر رہا ہے۔ چنانچہ اپنے مرضِ وفات کے دوران آپ نے خطبہ بھی ارشاد فرمایا جب ذرا آفاقہ ہوا اور آپ اپنے حجرے سے برآمد ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ آپؐ کے حکم کے مطابق امامت فرما رہے تھے اور صحابہ کرامؓ اُن کی امامت میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ حضورؐ تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن حضورؐ نے اشارے سے انہیں حکم دیا کہ نماز جاری رکھو اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا فرمائی اور اس کے بعد آپؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

"اللہ نے اپنے ایک بندے کو یہ اختیار دیا کہ وہ چاہے تو دُنیا کی نعمتیں قبول کرلے اور چاہے تو جو کچھ اُس کے پاس ہے یعنی عالمِ اُخروی کی نعمتیں انہیں اختیار کرلے تو بندے نے جو کچھ رب کے پاس ہے، اُسے قبول کرلیا"

حضرت ابوبکر صدّیقؓ یہ سُن کر رو پڑے اس لئے کہ انہیں اندازہ ہوگیا کہ درحقیقت نبی اکرمؐ یہ خود اپنی بات فرما رہے ہیں اور آپؐ نے ہم سے جدائی اور رفیقِ اعلےٰ کی طرف مراجعت کا فیصلہ کرلیا ہے۔ نبی اکرمؐ کا وصال یقیناً اُمّتِ مُسلمہ کے لئے اور بالخصوص صحابہ کرامؓ کی جماعت کے لئے ایک انتہائی رنج و غم اندوہ اور صدمے کی بات تھی لیکن ظاہر ہے کہ نبی اکرمؐ جو مشنِ اُمّت

کے حوالے کر کے گئے تھے اس کی تکمیل نہایت اہمیت کی حامل تھی - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضورؐ نے جو نظمِ جماعت قائم فرمایا تھا اب اُس کا ظہور ہوتا ہے وہ کتنا پختہ نظمِ جماعت تھا کہ فوراً ہی مشوروں سے تمام مراحل طے پا گئے اور نبی اکرمؐ نے جنہیں نماز کی امامت کے لئے آگے بڑھایا تھا اور جنہوں نے ۱۷ نمازیں حضورؐ کی حیات کے دوران مسلمانوں کو امام بنا کر پڑھائی تھیں انہی کی خلافت پر اُمت کا اجماع ہو گیا - حضرت ابوبکر بلاشبہ صدیق اکبر ہیں رضی اللہ تعالےٰ عنہ - اور یہ جان لینا چاہیئے کہ مقامِ صدیقیت مقامِ نبوّت سے بہت قرب رکھتا ہے بلکہ شیخ احمد سرہندیؒ المعروف بہ مجدد الف ثانیؒ کا قول تو یہ ہے کہ "حقیقتِ صدیقی ظلِ حقیقتِ محمدی است" مقامِ صدیقی درحقیقت مقامِ نبوّت کا ظل اور سایہ ہے - چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کُل ڈھائی سالہ خلافت کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جزیرہ نمائے عرب میں جس انقلاب کی تکمیل فرما گئے تھے اس کے از سرِ نو استحکام کا عمل بہ تمام و کمال پورا ہوا - تاریخِ عالم میں جتنے انقلابات آئے ہیں ان سب میں آپ کو ایک بات قدرِ مشترک کے طور پر ملے گی کہ انقلاب جب اپنے آخری مراحل میں ہوتا ہے اس وقت انقلاب دشمن طاقتیں کونوں اور کھدروں میں دبک جایا کرتی ہیں اور منتظر رہتی ہیں کہ پھر جب بھی موقع ہو وہ سر اُٹھائیں اور انقلاب پر حملہ آور ہوں اور اُسے ناکام کرنے کی کوشش کریں - چنانچہ یہی عمل ہے جو نبی اکرمؐ کے انتقال کے فوراً بعد ہمیں جزیرہ نمائے عرب میں ہر چہار طرف نظر آتا ہے - ایک سماں یہ تھا کہ فرمایا گیا -

"وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا"

"اے نبیؐ! آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج" لیکن حضورؐ کے انتقال کے بعد عارضی طور پر منظر یہ سامنے آیا کہ :

یَخْرُجُوْنَ مِنْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا - کا سا معاملہ ہو گیا -

لوگ فوج در فوج اللہ کے دین سے نکلنے لگے ایک جانب نبوّت کا دعویدار، جھوٹے مدعیانِ نبوّت کھڑے ہو گئے اور اُن کی دعوت پر بھی لاکھوں

کی تعداد میں لوگوں نے لبیک کہا - دوسری طرف ایک کثیر تعداد میں لوگ زکوٰۃ سے انکار کر کے کھڑے ہو گئے کہ ہم توحید کی گواہی دیں گے، ہم رسالت کی گواہی دیں گے، نماز بھی قائم کریں گے - لیکن زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے

حضرت ابوبکرؓ بظاہر بہت ہی رقیق القلب انسان تھے آپ کا جسم بھی بہت ہی نحیف و نزار لیکن اس موقع پر یہ حقیقت سامنے آئی کہ اس بظاہر کمزور شخصیت کے اندر ہمت اور صبر اور استقامت اور ثبات کا ایک کوہ ہمالیہ مضمر ہے - چنانچہ آپؓ نے بیک وقت ان تمام فتنوں سے مقابلہ فرمایا۔ حالانکہ بہت سے حضرات نے آپؓ کو مشورہ دیا کہ کم سے کم مانعین زکوٰۃ کے معاملے میں حکمت عملی کو مدنظر رکھتے ہوئے فی الوقت کسی قدر نرمی سے کام لیا جائے - لیکن ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میں اللہ کے رسولؐ کا جانشین ہوں - اَنَا خَلِیْفَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ - اور اللہ کے رسولؐ ہمیں جو دین دے کر گئے ہیں اس میں اگر سرمو بھی فرق کرنے کی کوشش کی گئی تو اور کوئی میرا ساتھ دے یا نہ دے ابوبکرؓ تن تنہا سب کا مقابلہ کرے گا - یہاں تک کہ آپؓ نے فرمایا کہ "یہ تو زکوٰۃ کا انکار کر رہے ہیں اگر ایسا بھی ہو کہ حضورؐ کے زمانے میں اگر زکوٰۃ کے اونٹوں کے ساتھ اُن کی رسیاں بھی آتی ہوں اور اب لوگ اونٹ دینا چاہیں لیکن رسیاں نہ دینا چاہیں تو میں اُن سے بھی قتال کروں گا"

یہ ہے وہ عزیمت، یہ ہے وہ صبر و ثبات کہ جس کا مظاہرہ حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ کبھی کبھی خیال ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ کا قیام ابھی اس عالم ناسوت میں کچھ عرصے اور رہتا تو بہت اچھا ہوتا - آپؐ اپنے انقلاب کے خلاف اٹھنے والی ان تمام مخالفانہ قوتوں (Reactionary Forces) کا بھی بنفسِ نفیس خود اپنے دستِ مبارک سے استیصال فرما جاتے اور اپنے انقلاب کو از خود استحکام بخش کر پھر مراجعت فرماتے رفیق اعلیٰ کی جانب لیکن معلوم ہوتا ہے کہ حکمت خداوندی میں کچھ اور ہی پیش نظر تھا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس مقام و مرتبے کا اظہار ہرگز نہ ہو پاتا اگر یہ پوری صورت حال اس طرح پیش نہ آتی جیسی کہ فی الواقع پیش آئی کہ حضرت

ابوبکرؓ ان تمام فتنوں کا استیصال فرماتے اور ان تمام انقلاب دشمنوں کا سر کچل کر انقلاب محمدیؐ کو از سر نو مستحکم کرتے - کل ڈھائی ہی سالوں میں آپؓ نے اپنے رفیق غارؐ کے انقلاب کو مستحکم کیا اور پھر اللہ کی طرف مراجعت اور اپنے رفیق غار اپنے محبوب اپنے رسول کے پہلو میں تا قیام قیامت استراحت فرمائی -

دوسری جانب چونکہ خلافتِ راشدہ درحقیقت نبوی مشن کی تکمیل کا ذریعہ ہے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ سے لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ آپ خلیفۃ اللہ ہیں یا خلیفۃ المسلمین ہیں تو انہوں نے فرمایا نہیں میں تو خلیفۃ رسول اللہ ہوں - خلافت راشدہ کو اسی وجہ سے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کہا گیا ہے - نبوت کے نقش قدم پر خلافت - چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نبی اکرمؐ کی بعثت عامہ یعنی آپؐ کے رسالت کے مقاصد میں سے جس مقصد کا تعلق پورے عالم ارضی سے تھا اس تکمیل کے لئے جس عمل کا آغاز نبی اکرمؐ نے بنفس نفیس فرمایا تھا اس عمل کو بھی ابوبکر صدیقؓ نے آگے بڑھایا -

جیش اسامہؓ کا معاملہ اس معاملے میں بہت نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے - اُن کے بارے میں بھی بہت سے حضرات نے مشورہ اور پُرخلوص مشورہ دیا کہ فی الوقت اندرون ملک عرب اتنے فتنے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں کہ اگر آپ صرف ان سے نبرد آزما ہو جائیں اور عہدہ برآ ہو جائیں تو بہت کافی ہے سردست اس لشکر کی روانگی ملتوی فرما دیجئے - لیکن یہاں بھی وہ صدیق اکبرؓ اسی عزیمت کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ جس لشکر کی روانگی کا فیصلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا اُس کی روانگی کو مؤخر کرنے والا میں کون ہوں! یہ تو پھر خلافت کا تقاضا نہ ہوا - یہ تو حضورؐ کے کئے ہوئے فیصلوں کی ایک Reversal ہے - اُن میں ترمیم ہو جائے گی - چنانچہ جیش اسامہؓ کو روانہ کیا گیا - اور اُس فیصلہ کو بھی قائم رکھا گیا کہ اُس کی سرکردگی حضرت اُسامہؓ کو دی گئی حالانکہ وہ بالکل نوجوان تھے - اس پر بھی جب یہ کہا گیا کہ ذرا اس فیصلے میں ترمیم کر لیجئے تو پھر اس جانشینِ رسول کا وہی قول سامنے آیا کہ جس کو عَلَم سنبھلوایا ہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں اُس کے ہاتھ سے عَلَم لینے والا کون

ہوتا ہوں!

حضرت اسامہؓ جب لشکر کو لے کر چلے ہیں اور اُن کے ساتھ ساتھ خلیفۂ وقتؓ پیدل چلے اور جب حضرت اسامہؓ احتراماً سواری سے اترنے لگے تو منع فرما دیا۔ یہ ہے شان حضرت ابوبکر صدیقؓ کی۔ اور یہ ہے درحقیقت مقام اور مرتبہ خلافت صدیقی کا۔

ایک اور بہت بڑا احسان جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔ اُمّتِ مُسلمہ پر وُہ ہے، قرآن مجید کا جمع کرنا — جو نبی اکرم کی حیاتِ طیبہ تک معروف معنی میں ایک کتاب کی شکل میں جمع نہ تھا یعنی "مَا بَیْنَ الدَّفَّتَیْنِ" — جیسے ایک کتاب ہوتی ہے۔ جلد کے دو گتّوں کے مابین۔ صفحات میں مرتّب صورت میں لکھی ہوئی — اگرچہ ترتیب کا حکم حضورؐ نے دے دیا تھا۔ ترتیب آپؐ نے قائم فرما دی تھی۔ آیات کو جمع کر کے سورتوں کی شکل دینا اور سُورتوں کا باہمی نظم اور ربط یہ آنحضورؐ نے خود کر دیا تھا۔ لیکن ابھی کسی کے پاس کچھ سورتیں تھیں لکھی ہوئی کسی کے پاس کچھ اور دوسری سُورتیں تھیں کہیں کپڑے پر لکھی ہوئی کہیں ہڈیوں پر لکھی ہوئی، کہیں کاغذوں پر لکھی ہوئی اور سب سے بڑھ کر لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا، قرآن مجید۔ لیکن جب حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں بہت سی جنگیں ہوئیں اور ان میں بہت سے صحابہؓ نے جامِ شہادت نوش فرمایا تو اُن میں خصوصاً جنگ یمامہ میں بہت سے حُفّاظ شہید ہو گئے تب یہ خیال پیدا ہوا کہ قرآن ایک مصحف کی صورت میں محفوظ کیا جائے۔ اس خیال کو سب سے پہلے ظاہر کرنے والے ہیں حضرت عمر فاروقؓ کہ قرآن مجید کو ایک مُصحف کی شکل میں جمع کر لیا جائے ایسا نہ ہو کہ حفّاظ کی کثیر تعداد شہید ہو جائے اور کہیں قرآن مجید کا کوئی حصّہ ضائع ہو جائے چنانچہ اللہ تعالےٰ کا یہ فیصلہ کہ:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر-۹)

"ہم نے ہی اس ذکر کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں"۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق کے ہاتھوں اس ارادۂ خداوندی کی تعمیل ہوئی۔ چنانچہ

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو جو حضورؐ کے زمانے میں کاتب وحی رہے تھے، حکم دیا کہ وہ قرآن مجید کو جمع کریں - وہؓ یہ فرماتے ہیں کہ مجھے اگر کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی خدمت سپرد کی گئی ہوتی تو وہ بھی مجھ پہ اتنی بھاری نہ ہوتی جتنا بوجھ میں نے اس ذمہ داری کا محسوس کیا -

بہرحال نبی اکرمؐ نے اپنے حجۃ الوداع میں تو یہ ہدایت فرمائی تھی کہ

وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تَضِلُّوا أَبَدًا : كِتَابَ اللّٰهِ -

"اور یقیناً میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں جس کا سرشتہ اگر مضبوطی سے تھامے رہو گے تو ابدالاباد تک گمراہ نہ ہو سکو گے اور وہ چیز ہے کتاب اللہ -

یعنی اے میری اُمت میں جا رہا ہوں لیکن تمہیں بے سہارا بے یار و مددگار چھوڑ کر نہیں جا رہا - بلکہ چھوڑ چلا ہوں تمہارے مابین وہ چیز کہ جسے اگر مضبوطی سے تھام لوگے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ اللہ کی کتاب ہے - تو یہی مقام صدّیقیت اور مقامِ نبوّت کے باہمی اتصال کا ایک مظہر ہے کہ اس کتاب کو "بَیْنَ الدَّفَّتَیْن" کی شکل دی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے - رضی اللہ تعالےٰ عنہ وارضاہ -

اللہ تعالےٰ ہمیں اس کتاب الٰہی سے صحیح تمتع کی توفیق عطا فرمائے -

فَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ الْأَمِينِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاصْحَابِهٖ اجْمَعِينَ -

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ

اپنی قیمتی کتابوں کو محفوظ رکھئے

اپنی قیمتی کتابوں کو محفوظ رکھنے کیلئے پلاسٹک کور چڑھوائیے -

خوبصورت پلاسٹک فائلوں اور نوٹ بکس کا مرکز

ایس - پی - اسٹیشنرز

کبیر اسٹریٹ - اُردو بازار، لاہور - فون: ۶۹۶۸۷

اظہار لمیٹڈ

کے

تیّار چھتیں

(پری کاسٹ کنکریٹ ۔ پری سٹریسڈ کنکریٹ کی مصنوعات)

گارڈر بالے اور سلیب وغیرہ

مندرجہ ذیل مقامات سے دستیاب ہیں

صدر دفتر ۶ ۔ کوثر روڈ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور۔ فون:۔ ۶۹۵۲۲ / ۶۱۵۱۴

فیکٹری واقع پچیسواں کلومیٹر لاہور شیخوپورہ روڈ

لاہور ڈپو ۱۴۷۔اے 1 فیروزپور روڈ (نزد جامعہ اشرفیہ) فون ۴۱۳۵۶۹

فیصل آباد شیخوپورہ روڈ۔ نزد نیشنل ہوزری۔ فون معرفت:۔ ۵۰۷۴۴

گجرات جی ٹی روڈ۔ کٹھالہ (نزد ریلوے پھاٹک)

راولپنڈی جی ٹی روڈ۔ سواں کیمپ فون:۔ ۶۸۱۲۷

تیارکردہ:۔ کنکریٹ پری کاسٹنگ لمیٹڈ

(سی۔پی۔ایل)

آپ تو تیار چھت کا سستا تخمینہ لیجئے گر وہ سی۔پی۔ایل کی بنی ہوئی؟

حسنِ انتخاب

مسئلہ خواتین اور اربابِ کار

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی کتاب 'پاکستانی عورت دوراہے پر' سے ایک اقتباس

عورتوں کے اجتماعی حقوق و فرائض کا مسئلہ اسلام میں اس قدر واضح و لمحات ہے کہ اس کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے کسی خاص تحقیق و کاوش کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے معاشرتی و اجتماعی مسائل میں سے جو مسائل قرآن و حدیث میں سب سے زیادہ تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے شاید ایک واضح ترین مسئلہ یہی ہے۔ عورت کا درجہ خاندان میں، عورت کا مرتبہ اجتماعی زندگی میں، عورت کا موقف ریاست میں، یہ ساری باتیں تمام اصولی ہدایات کے ساتھ خود قرآن مجید میں بیان ہوگئی ہیں اور پھر اُن کی ضروری عملی و قولی تشریحات صحیح احادیث میں آگئی ہیں۔ نہایت آسانی کے ساتھ تھوڑی سی محنت کرکے، انکو جمع اور ناظرین کے سامنے پیش کیا جاسکتا ہے لیکن پاکستان میں ہمارے اربابِ کار کے دورخے پن نے جس طرح ہر مسئلہ کو الجھا رکھا ہے، اسی طرح اس مسئلہ میں بھی انہوں نے ایسی اُلجھنیں پیدا کردی ہیں کہ اصل حقیقت تک پہنچنے کے لیے ہمیں بہت سی ناہمواریوں کو ہموار کرنا پڑے گا۔

ایک معقول آدمی کے لیے معقول رویہ تو یہ ہے کہ کفر اور اسلام میں سے جس پر اس کا دل ٹھک جائے اس کو مسلکِ زندگی کی حیثیت سے اختیار کرے اور مشکلات و موانع سے بے پروا ہوکر اس پر چل پڑے۔ حق و باطل سے قطع نظر کرکے یہ یکسوئی بجائے خود ایک بڑی اہم طاقت ہے اور جس راہ میں بھی کوئی قابلِ ذکر کامیابی حاصل ہوتی ہے وہ اسی یکسوئی کی بدولت ہی حاصل ہوتی ہے۔ دنیا میں ہمیشہ کامیابی حاصل کرنے والوں نے اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے اور اپنے اپنے مطمع نظر کے لحاظ سے اسی کے بل پر کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ لیکن ہمارے ملک کے اربابِ کار نے

یکسوئی کی یہ اولوالعزمانہ روش اختیار کرنے کے بجائے دو رخے پن کی بزدلانہ روش اختیار کی ہے۔ جس کو اسلامی اصطلاح میں ہم نفاق سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ نفاق انسان کی ایک مہلک بیماری کی حیثیت سے تو ضرور متعارف ہے اور ہر دور اور ہر سوسائٹی میں ایسے افراد و اشخاص پیدا ہوتے رہے ہیں جو اس بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن ہمیں تاریخ میں کسی ایسی قوم کا سراغ نہیں ملتا ہے جس کے لیڈروں نے متفق ہو کر نفاق کو قومی پالیسی کی حیثیت سے اختیار کیا ہو اور اس کو اپنی مشکلات کے حل کی کلید جانا ہو۔ پوری تاریخِ انسانی میں اس قسم کی کوئی قوم اگر ملتی ہے، تو صرف ایک قوم ملتی ہے اور وہ بدقسمتی سے ہماری قوم ہے۔

ہمارے لیڈر حضرات متفق اللفظ ہو کر زبان سے اسلام اسلام پکارتے ہیں۔ اسلام اور اسلامی نظام ہی کو پاکستان کے قیام کا واحد مقصد قرار دیتے ہیں۔ اسلامی اصولوں ہی کے اندر دنیا کے تمام موجودہ مصائب کا علاج بتاتے ہیں حد یہ ہے کہ دستور ساز اسمبلی میں قرار داد بھی پاس کر دیتے ہیں کہ اس ملک کا دستور کتاب و سُنت کی بنیادوں پر بنے گا لیکن دوسری طرف عمل کی دنیا میں یہ حال ہے کہ اسلام کے مٹے ہوئے آثار و نقوش کو اُجاگر کرنے کی کوشش کرنا تو الگ رہا، اسلامی تہذیب و روایات کے جو آثار انگریزی دورِ حکومت کی دستبرد سے تھوڑے بہت بچ رہے تھے اُن کو بھی مٹانے اور ان کی جگہ مغربیت کو غالب کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اس دعوے کے ساتھ ہو رہی ہے کہ یہ اسلام قائم ہو رہا ہے۔ اس بات کی شہادت یوں تو ان حضرات کے ہر قول و فعل سے مل رہی ہے لیکن عورتوں کی اصلاح و ترقی کے معاملہ میں انہوں نے جو روش اختیار کی ہے اس کو دیکھنے کے بعد تو کوئی اندھا ہی ہو گا جو ان کے اصل عزائم کی طرف سے کسی شبہ میں رہے گا ——

ان حضرات کی یہ روش بھی کچھ کم دردانگیز نہیں تھی کہ انھوں نے مسلمان ہوتے ہوئے اسلام کے بجائے غیر اسلام کو مسلمانوں پر مسلط کرنے کی ٹھانی ہے۔ لیکن اس سے زیادہ دردانگیز ہمارے نزدیک اُن کی یہ شُتر گربگی ہے، کہ وہ بیک وقت کفر اور اسلام دونوں کی کشتیوں پر سوار رہنا چاہتے ہیں۔ عملاً تو یہ ساری جدوجہد مغربی جاہلیت کو مسلط کرنے کے لیے کر رہے ہیں لیکن بطور ڈھکوسلہ کی

کے اسلام کو بھی ساتھ ساتھ لگائے رکھنا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان ان کی نام نہاد اصطلاحات کی طرف سے بدگمان نہ ہوں اور زہر یہ پلا رہے ہیں کہ اس کو شہد و شربت سمجھ کر بغیر کسی مزاحمت کے پی جائیں۔ اس منافقت کو ان حضرات نے کمال سیاست دانی سمجھ رکھا ہے اور خیال کر رہے ہیں کہ اپنی قوم کو "فرنگیانے" کی جو لاجواب سکیم انہوں نے ڈھونڈ نکالی ہے وہ کمال اتاترک اور امان اللہ خان کو بھی نہ سوجھ سکی۔ حالانکہ قومی زندگی میں نفاق کی پالیسی ہمیشہ مہلک اور تباہ کن ثابت ہوئی ہے۔ اگر آپ اس طرح قوم کو کفر کی طرف دھکیلتے اور اسلام کی طرف بلاتے رہے تو اس کا نتیجہ صرف یہ نکلے گا کہ یہ قوم ہمیشہ کعبہ و کلیسا کے درمیان ڈانوا ڈول رہے گی۔ آپ کے دھکیلنے کی وجہ سے دو قدم اگر آگے بڑھائے گی تو آپ کے بلانے کی وجہ سے دو قدم پیچھے بھی ہٹائے گی۔ اور اسی لیفٹ رائٹ کے دوران میں خدانخواستہ اگر کوئی قومی آزمائش پیش آگئی تو ایسی ڈانوا ڈول قوم کا اللہ ہی حافظ ہے۔

جس چیز کو یہ حضرات انتشار DISRUPTION کہتے ہیں اور جس کے سونگھ لینے کے لیے ان کی قوتِ شامہ اتنی تیز ہے کہ اگر ان گوشوں میں بھی اس کی بُو پالیتی ہے جن گوشوں میں دُور دُور تک اس کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا۔ وہ انتشار، اس انتشار کے مقابل میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جو انتشار ان کی یہ دورخی اور شتر گربہ پالیسی پوری قوم کے فکر و عمل میں پھیلا رہی ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ ایک طرف تو آپ اپنی مذہبی ساکھ قائم رکھنے کے لیے قوم کو اسلام اور قرآن یاد دلاتے رہتے ہیں۔ قوم کے اندر اپنے دین اور اپنی مذہبی روایات سے جو محبت ہے اپنی اغراض کی خاطر اس کو جگاتے رہتے ہیں۔ قوم میں اپنے بزرگ اسلاف کے نقشِ قدم کی پیروی کا جو شوق دبا ہوا ہے، اپنی محبت اسلام کی دھونس جمانے کے لیے وقتاً فوقتاً اس رگِ حمیت کو بھی چھیڑتے رہتے ہیں۔ اور حصولِ اقتدار کی مسابقت میں آپ میں سے ہر ایک اس اسلام بازی میں ایک دوسرے سے چار قدم آگے ہی رہنا چاہتا ہے — اور دوسری طرف آپ کی یہ بھی کوشش ہے کہ قوم کی تمام بیٹیاں اور بہنیں اپنی دیرینہ تہذیب اپنی پرانی روایات اور اپنی مالوس و معروف معاشرت کو خیرباد کہہ کر مغربی مترجات کے رنگ میں رنگ جائیں اور بیگم

آزوری اور رتیا ہیورتھ کو اپنے لیے نمونہ اور مثال بنائیں۔ کیا کوئی دعوت اس دو طرفہ دعوت سے بھی زیادہ اس قوم میں انتشار پیدا کر سکتی ہے؟ یہ قوم جاہل ضرور ہے لیکن کیا اتنی جاہل ہے کہ یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ اور آپ کے ان پیش کردہ نمونوں میں کیا فرق ہے؟ یہ قوم اپنی روایات سے ناآشنا ضرور ہوگئی ہے لیکن کیا فی الواقع اتنی ناآشنا ہوگئی ہے کہ مدینۃ الرسول اور ہالی وڈ کی تہذیب میں امتیاز نہ کر سکے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہماری قوم کا مزاج بگڑ چکا ہے لیکن کیا سچ مچ اتنا بگڑ چکا ہے کہ اب وہ اسلامی تہذیب اور صریح تبرج جاہلیت میں بھی فرق نہیں کر سکتی؟ پھر اس مذاق سے کیا فائدہ کہ آپ قوم کو لے تو جانا چاہتے ہیں کفر کی طرف لیکن بات بات پر اس کو اسلام بھی یاد دلاتے جا رہے ہیں؟ اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ یہ قوم پورے شرح صدر کے ساتھ نہ تو کفر کی طرف جائے گی اور نہ اسلام کی طرف بلکہ اپنی جگہ ہی ٹھٹھر کر رہ جائے گی۔ اور پھر اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر کسی بیرونی آفت کا شکار ہو جائے گی۔

ہمارے نزدیک صحت مند قومی زندگی کے لیے ناگزیر ہے کہ قوم کے ارباب کار قوم کو جس راستہ پر لے جانا چاہتے ہوں، پوری یکسوئی اور پورے عزم کے ساتھ اسی راستہ کی طرف بلائیں اور اسی پر اس کو چلائیں۔ ایک راستہ پر قوم کو چلانا اور دوسرے راستہ کے مناظر کی دلکشیوں کی داستان سرائی کرنا نہایت ہی احمقانہ طریقہ ہے جس سے نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

ہارڈ ویئر مشینری۔ ورکشاپ ٹولز۔ گرائنڈنگ وہیل۔ سٹیل وائر روپ
اینڈ مل سٹور مرچنٹ
نظام سنز
چین بلی بلاک جاپانا ½ ٹن سے ۲۰ ٹن تک
پل لفٹ ا ٹن، ½ ا ٹن، ۳ ٹن، ۵ ٹن، ۶ ٹن
نظام منزل، ۵۹۔ نشتر روڈ، لاہور

امیر تنظیم اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمد کا

اختتامی خطاب (تیسری قسط)

بموقع ساتواں سالانہ اجتماع (یکم مئی تا ۴ مئی ۱۹۸۲ء)

بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ

اب میں اس معاملہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ جو ایک درجے میں موجب اطمینان ہے تو دوسری جانب انتہائی تشویش کا باعث بھی ہے۔ یہ معاملہ درحقیقت میرے ذاتی تعارف، میری ذاتی شہرت اور میری ذاتی حیثیت سے متعلق ہے۔ ذاتی اعتبار سے یہ معاملہ میرے لئے تشویش آمیز اور تشویش انگیز ہی نہیں ایک فتنہ عظیم ہے۔ میں اس خطرے کو شدت سے محسوس کر رہا ہوں۔ میں پچھلے سال جب امریکہ سے واپس آیا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ میں جب کہیں باہر جانے کے لئے لاہور میں بھی نکلتا ہوں تو انگلیاں اٹھتی ہیں۔ کار میں جا رہا ہوتا ہوں تو برابر والی کاروں میں گزرنے والے غور سے دیکھتے ہیں، کچھ چونکتے ہیں، دماغ پر زور ڈالتے ہیں اور پھر سلام کرتے ہیں۔ چند نوجوان اسکوٹر یا موٹر سائیکل دوڑاتے ہوئے پاس آتے اور پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسٹیشنوں اور ہوائی اڈوں پر لوگ غور سے دیکھتے ہیں اور پھر آگے بڑھ کر مصافحہ کرتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ کیا آپ "الہدیٰ" والے ڈاکٹر اسرار احمد ہیں[1] — اس طرح کی کیفیات جب آئیں تو حدیث شریف میں ان کے متعلق اشارہ موجود ہے کہ یہ ایک بہت بڑے فتنے کی زد میں ہونے کی علامت ہے — میں اس ضمن میں آپ تمام رفقاء سے استدعا کروں گا کہ

[1] حالانکہ اس وقت "الہدیٰ" کے اجراء پر بمشکل تین ماہ گزرے تھے (مرتب)

اپنی دعاؤں میں ایک حصہ خاص اس اعتبار سے شامل کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے عُجب اور کبر نفس سے محفوظ رکھے اور اس فتنہ عظیم سے وہ رحیم و کریم مجھے بچائے۔ اس لئے کہ آں حضورؐ نے تین باتوں کو مہلکات میں اور تین باتوں کو منجیات میں قرار فرمایا ہے۔ مہلکات میں سے آخری چیز اعجابُ المرءِ بنفسہٖ کو مہلک ترین قرار دیا ہے اور اس عجب نفس کے متعلق فرمایا ہے کہ وھیَ اشدّھنّ۔ ظاہر بات ہے کہ

اس عُجب کا خطرہ اسی نسبت و تناسب سے ہوگا جس تناسب سے کسی شخص کی شہرت اور مقبولیت بڑھتی چلی جارہی ہو۔ اس کی حیثیت بن رہی ہو۔ تو یہ چیز میرے لئے ایک بڑے اندیشے اور خطرے کی علامت ہے۔ اس سے محفوظ رہنے کی میں خود بھی دعا کرتا ہوں آپ بھی میرے لئے اپنی دعا کا ایک حصہ مخصوص کر لیجئے۔

میں اس معاملے پر اس پہلو سے بھی غور کرتا ہوں کہ صوفیاء میں ایک طبقہ "ملامتیہ" کا بھی ہے۔ صوفیاء میں "ملامتیہ" فرقہ اس کو سمجھا جاتا ہے جو اس خطرے کو بھانپ کر پھر کوئی خلاف شریعت کام کرنے شروع کر دیتا ہے۔ تاکہ لوگ یہ کہنے لگیں کہ یہ تو گیا۔ اس کا تو دماغ ہی خراب ہو گیا ہے۔ اس میں کوئی دینی رمق یا روحانیت نہیں ہے تاکہ وہ شہرت کے فتنے سے بچ سکے۔ یا پھر وہ نقل مکانی کرتا ہیں کہ جس جگہ دین کی وجہ سے مجھے شہرت و مقبولیت حاصل ہو رہی ہے تو ایسی جگہ سکونت اختیار کروں جہاں کوئی مجھ کو جاننے والا کوئی نہ ہو۔ گویا رہیئے چل کر ایسی جگہ جہاں کوئی نہ ہو۔ ہم نفس کوئی نہ ہو ہم زباں کوئی نہ ہو — اور مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو — وغیرہ وغیرہ — تو یہ بھی ایک نفسیاتی کیفیت ہوتی ہے — لیکن ظاہر بات ہے کہ یہ طرزِ عمل کسی طرح درست نہیں ہے۔ پھر جو شخص کسی دعوت اور تحریک کو لے کر چل رہا ہو، اس کے لئے تو اس قسم کا طرزِ عمل اختیار کرنا اپنے فرض سے نری فراریت اور گریز ہے۔ اس صورت حال میں تو صحیح ترین طریقہ یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا رہے۔ ویسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ فتنہ اور خطرہ جو ہے وہ بالقوہ (Potentially) انسان کی زندگی کا جزو لازم ہے زندگی فی نفسہٖ ایک چیلنج ہے۔ You have

آپ کو اس کا مواجہہ کرنا ہے' اسے Face کرنا ہے۔ to meet it. یا پھر یہ ہے کہ آدمی اس سے مستعفی ہو اور خود کشی کرلے۔ تو بات دراصل یہ ہے کہ زندگی خود ایک فتنہ ہے' لیکن اعجاب المرء بنفسہ ایک شدید ترین فتنہ اور ہلاکت خیز فتنہ ہے۔ اور یہ آتا بھی ایک طوفان کی طرح ہے۔ بہت تیز رفتاری کے ساتھ آتا ہے۔ اگر انسان کے اندر Shock Absorbers موجود ہوں اور اس کو Absorb کرلے تو اللہ تعالےٰ اس کو خیر کا ذریعہ بھی بنا دیتا ہے۔ تو یہ معاملہ دعوت کیلئے تحریک کے لئے توسیع اور استحکام کا ایک ذریعہ بن جاتا ہے۔ ان ہی اعتبارات سے میں نے عرض کیا کہ یہ معاملہ ایک طرف اطمینان بخش بھی ہے تو دوسری طرف تشویش ناک اور تشویش انگیز بھی ہے۔ اطمینان والا پہلو جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا یہ ہے کہ اس سے دعوت کے لئے نئے افق (Horizons) نئے امکانات (Possibilities) نیا دائرہ عمل اور نئے مواقع میسر آتے ہیں تو یہ اس کا ایک روشن پہلو ہے۔ اُمید افزا پہلو ہے۔ اطمینان بخش پہلو ہے۔ البتہ اس شخص خاص یعنی دعوت و تحریک کے داعی اور قائد کے لئے اعجاب نفس کا ایک خطرے اور اندیشے کا پہلو بھی لئے ہوئے ہوتا ہے۔

اس معاملے کی چونکہ صحیح Assessment اور اس کا صحیح اندازہ ضروری ہے لہٰذا میں چاہونگا کہ میں نہ تو صوفیانہ طرز کے کسر و انکسار کا معاملہ تکلف کے ساتھ کروں اور نہ یہ ہو کہ حقیقت اور واقعہ کے خلاف غیر معمولی توقعات قائم کرلی جائیں اور معاملہ OVER ESTIMATION ہو جائے۔ بلکہ بات حقیقی ہی ہو نہ اس میں کسر و انکسار ہو نہ مبالغہ تاکہ ہمیں معلوم رہے کہ اس پہلو سے اگر واقعی ہمار دعوت و تحریک کی توسیع کے لئے کچھ امکانات پیدا ہوئے ہیں تو وہ کس درجے میں ہوئے ہیں اور کس حد تک ہوئے ہیں اور وہ کیا ہیں۔ ان سے ہم کس طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں! اگر ہم اس کا صحیح صحیح جائزہ نہیں لیں گے تو ان بہترین مواقع کے صحیح استعمال سے ہم محروم رہ جائیں گے اور ہمارے سامنے توسیع دعوت کے جو امکانات روشن ہوئے ہیں' وہ مدہم ہوتے چلے جائیں گے۔

لہٰذا اس جائزے کی تحریک کی توسیع کے لئے ضرورت ہے - اس کو یہ نہ سمجھ لیجئے گا کہ بلاضرورت اور شاید صرف در مدح خود می گویم کے انداز میں، میں یہ بات کہہ رہا ہوں - بلکہ اس پہلو سے ہمیں صحیح **Assessment** کی شدید ضرورت ہے -

پہلی بات تو یہ سمجھئے کہ یہ ہوا کیسے ؟ اس میں بھی ایک تو ہے **Base Line** یعنی ایک اساس و بنیاد — وہ تو ہے میری پندرہ سال کی کوشش و محنت جس کی توفیق مجھے اللہ سے ملی چونکہ ہر معاملے میں ھوالموفق — واقعہ یہ ہے کہ کامل یکسوئی کے ساتھ اور تقدیم و تاخیر کا ایک معین فیصلہ اور عزم کر کے اپنے ہدف کی طرف بڑھنے کی مسلسل تگ و دو میں لگے رہنے کو بہت اہم عامل **Factor** کا مقام حاصل ہے - الحمدللہ یہ کیفیت نہیں ہوئی کہ کبھی اِدھر اُدھر دیکھا ہو - مذبذبین بین ذالک لاالی ھٰؤلاءِ وَلا الی ھؤلاءِ سے اللہ نے محفوظ رکھا — وللہ الشکر والمنہ کہ اس معاملے میں کسی مرحلے پر نہ شک لاحق ہوا کہ مقدم فرض اقامتِ دین[1] ہے اور نہ اس میں کوئی تردد ہوا کہ اقامتِ دین کا اساسی منہج اور طریق کار تلاوتِ آیاتِ الٰہیہ، تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت[2] ہے - یہ دو چیزیں ہیں اور ان دونوں کا بیک وقت لحاظ رکھنا ضروری ہے - عزم ہو لیکن آدمی **Shaky** بھی رہے تو ایسے شخص کو کبھی کوئی لہر اِدھر لے جاتی ہے کبھی اُدھر — نظامِ مصطفٰے کی تحریک آجائے تو اس میں بہہ جائیں - بحالی جمہوریت کی تحریک اُٹھے تو اس میں لگ جائیں - ہر تحریک میں کوئی نہ کوئی تو خیر کا پہلو ہوتا ہے یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ میرا ایمان و ایقان ہے کہ شرِ محض تو اس کائنات میں ہے ہی نہیں - یہاں جو بھی شر ہے وہ کسی نہ کسی خیر کے سہارے کھڑا ہوا ہے - ورنہ شر اپنے بل بوتے پر کبھی کھڑا ہو ہی نہیں سکتا - وہ تو خیر کا درخت

---

[1] یہ بات اس آیت کریمہ سے ماخوذ ہے : ھوالذی ارسل رسولہ بالھدٰی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

[2] یہ بات اس آیت کریمہ سے ماخوذ ہے : ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم آیٰتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ (جمعہ)

ہوتا ہے جس پر شرا کا س بیل کی طرح ہر طرف سے اس پر لپٹ جاتا ہے۔ اندر خیر ہوتا ہے - یہ پوشیدہ خیر انسان کو کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جاں ایں جاست' کے مصداق اپنی طرف کھینچتا رہتا ہے - یہ اللہ ہی کا فضل ہے کہ ہر وقتی اور ہنگامی تحریکوں سے، جس میں بہرحال جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے، خیر کا کوئی نہ کوئی پہلو شامل ہوتا ہے، دامن بچاتے ہوئے پوری یکسوئی اور عزم کے ساتھ اسی منزل کو پیشِ نظر رکھا جس کو پورے شعور کے ساتھ اور علیٰ وجہ البصیرت قرآن مجید اور سنتِ رسول ؐ کی روشنی میں سمجھا تھا - بحمدللہ عزم کی تقدیم کے طور پر یہی مقصد پیش نظر رہا اور یہی عزم رہا - ساتھ ہی اس بات پر بھی یقین کامل رہا - کہ اس کام کے لئے اساسی منہاج وہی ہے، جس کی رہنمائی ہمیں سورۂ جمعہ کی دوسری آیت میں ملتی ہے -

اسی موقع پر یہ بات بھی پیش نظر رکھیئے کہ اپنے اس کام کی پبلسٹی کا سوائے چند مختصر سے اخباری اشتہارات کے کوئی اور ذریعہ میں نے اختیار نہیں کیا۔ البتہ انجمن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی سالانہ کانفرنسوں کے ذریعے میرے کچھ Lime Light میں آنے کے امکانات پیدا ہوئے - پبلسٹی کے بہت سے طریقے ہیں کوئی شخص اس کا شوق رکھتا ہو تو کچھ رقم خرچ کرے اور کسی ہوٹل وغیرہ میں جب چاہے پریس کانفرنس بلالے - چند اخباری رپورٹروں سے روابط بڑھائے ان کی خاطر تواضع کرتا رہے - ہر ایک ہفتہ کسی نہ کسی مسئلہ پر کوئی اخباری بیان جاری کر دیا کرے تو اس طرح ایک شخص ایک بہت بڑے حلقے میں متعارف ہو جاتا ہے بعض مواقع پر بعض دوستوں کی طرف سے اصرار کے ساتھ تجویز آئی کہ فلاں مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر پریس کانفرنس ہونی چاہیئے یا اخباری بیان جاری ہونا چاہیئے - لیکن میں نے کہا کہ قطعاً نہیں میں نے ایسی ہر تجویز پر اپنا نقطہ نظر پیش کر کے ایسے ساتھیوں کو مطمئن کر دیا۔ اللہ کے فضل سے طبیعت میں ایک پیسہ بھر اس طرف قطعاً رجحان نہیں رہا۔ پھر یہ کہ مختلف مجالس و محافل میں آنے جانے کا سلسلہ رکھنا اور اس طرح اثر رسوخ رکھنے والوں سے روابط قائم کرنے کی کوشش کرنا اس سے بھی میں نے

شعوری طور پر احتراز کیا ویسے ایسے کاموں کے لئے وقت ہی نکلنا مشکل ہوتا تھا چونکہ ہماری شامیں تو کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی حلقے میں درس قرآن یا خطاب کے لئے مخصوص رہتی تھیں - لہذا پبلسٹی اگر ہوتی ہے تو وہ بھی صرف کسی درس یا اجتماع کے موقع پر اخباری اشتہار کے ذریعے یہ بھی عموماً ایک مقامی کثیر الاشاعت اخبار تک محدود رہی ہے اور وہ بھی بہت مختصر جگہ (SPACE) کے لئے کسی خاص اجتماع کا اشتہار دیا گیا ہے - میرے علم میں ہے کہ بعض لوگوں نے اسے بھی مذاق کا ہدف بنائے رکھا ہے - لیکن مجھے یہ کام اس لئے کرنا پڑتا تھا کہ ناگزیر تھا - اس کے سوا چارہ کار کوئی نہیں تھا - ضروری نہیں ہوتا کہ اخبار کو بطور خبر بھیجی ہوئی اطلاع شائع ہی ہو جائے - اس دعوت اور پکار کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے اور شرکت کی دعوت دینے کا ایک یہی طریقہ تھا جو آسان تھا اور اس نے بلاشبہ مدد دی ہے سننے والے لوگ اس اشتہار کو دیکھ کر ہمارے دروس اور اجتماعات میں شریک ہوتے ہیں - لیکن اس کے علاوہ کوئی SUPER-FICIAL اور Artificial پبلسٹی کا کوئی ذریعہ اختیار نہیں کیا گیا - اس میں سب سے بڑا جو Break through ہوا ہے وہ ٹیلیویژن ہے - اس میں کوئی شک نہیں - میں کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ میں اگر پندرہ سال اور کام کرتا رہتا تو اب تک پندرہ سالوں میں جو کام ہو چکا ہے - اس سے دوگنا یا زیادہ سے زیادہ سہ گنا کام ہو جاتا لیکن یہ بات ذہن میں رکھیئے کہ الہدیٰ کے پروگرام کی بدولت میرا پاکستان گیر پیمانے پر جو ذاتی تعارف ہوا ہے - میری جو حیثیت بنی ہے اور مجھے جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی ہے جس کا ہم عام حالات میں تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، اس کے لحاظ سے میں یہ بات کہہ رہا ہوں - میرے نزدیک دعوت و تحریک کے نقطہ نظر سے تو اصل اور پختہ (SOLID) کام وہ ہیں جو تلک عشرۃ کاملۃ کے ضمن میں، میں گنوا چکا ہوں - میرے نزدیک یہ SOLID کام نہیں ہے لیکن اس چیز سے توسیع دعوت کے نہایت روشن امکانات پیدا ہوئے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ہمارے رفقاء کمر ہمت کس لیں تو ان کو انفرادی ملاقاتوں، حلقہ وار دروس و خطابات میں اور ہماری کتابوں کی اشاعت

کے ذریعے تو دعوت و تحریک کا کام کرنے کے لئے ایک وسیع میدان بھی مل سکتا ہے اور لوگوں کے ہماری دعوت کو سمجھنے اور اس کو قبول کرنے کے امکانات بھی پہلے سے کہیں زیادہ مہیا ہو سکتے ہیں۔ اس سے قبل رمضان المبارک میں دو سال "الکتاب" اور پھر تیسرے سال "الم" مزید براں "رسول کامل" کی سیریز اور دوسرے مختلف پروگراموں کی وجہ سے بھی میرا ذاتی تعارف ہوا تھا۔ لیکن اس الہدیٰ کے پروگرام نے تو ہمارے پڑھے لکھے خاص طور پر ہمارے نوجوانوں کی توجہات کو میری ذات کی طرف مرتکز کر دیا ہے۔ اس طرح ہمارے کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے دروازے کھول دیئے ہیں اور امکانات پیدا فرما دیئے ہیں۔ اب اگر ہم اسی طرح کم کوشش رہے اور تبلیغ و دعوت کے کام میں کوتاہی برتتے رہے جیسا کہ ہمارا عام حال رہا ہے تو یہ کفرانِ نعمت ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل مواخذہ بھی۔ لہٰذا میں تمام رفقاء سے یہ عرض کروں گا کہ وہ ایک عزم نو لے کر اس اجتماع سے اٹھیں اور اپنے فارغ اوقات کو دعوت و تبلیغ کے لئے مخصوص کر دیں۔ لوگوں تک تنظیم کی دعوت پہنچائیں، لوگوں کو اپنی اپنی تنظیم کے اجتماع عام میں شرکت کی ترغیب دیں۔ ہر رفیق اپنے پاس کتابوں کا ایک سیٹ رکھے اور ان تمام کاموں کو اپنا دینی فریضہ سمجھے کہ وہ اس کام کے لئے لگن، جوش اور مسلسل و پیہم انجام دینے کی طرف تمام رفقاء متوجہ ہوں گے۔ ظاہر بات ہے کہ جو رفقاء مرکز سے وابستہ ہیں اور ان کے پاس تنظیمی امور کا کوئی نہ کوئی شعبہ ہے، ان کے لئے تو یہ دشوار ہوگا کہ وہ لوگوں سے ملاقاتیں کرنے کے لئے وقت نکال سکیں لیکن بقیہ تمام رفقاء اس کام کو اپنے اوپر خود ہی لازم کر لیں۔ خاص طور پر منفرد رفقاء کوشش کریں کہ وہ اپنے شہر میں سال بھر میں اتنا کام تو ضرور کر لیں کہ اس شہر میں تنظیم کا ایک حلقہ وجود میں آجائے۔ (جاری ہے)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

رپورتاژ

خبیب عبدالقادر

بلتستان میں دس دن

امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی معیّت میں

خُبیب عبدالقادر، قیم تنظیمِ اسلامی جناب قاضی عبدالقادر صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ بی۔ایس سی میں پڑھ رہے ہیں اور تنظیم کے رفیق اور اپنے والد صاحب کے شریکِ کار ہیں۔ زیرِ نظر رپورٹ انہوں نے بڑی محنت سے مرتب کی ہے۔ اگرچہ یہ رپورٹ خامیوں سے مبرا نہیں ہے اور بعض پہلوؤں سے غیر متوازن بھی ہے تاہم چونکہ اس میدان میں یہ ان کی پہلی کاوش ہے اس پہلو سے بہت قابلِ قدر ہے۔ بلتستان کے ہمارے ساتھی، حق نواز صاحب نے بھی اس رپورٹ کی تیاری میں اہم کردار ادا کیا ہے خصوصاً اشخاص اور جگہوں کے نام اور واقعات کی ترتیب کا ملحوظ رکھنا اُن کے تعاون کے بغیر ممکن نہ تھا۔ کچھ لفظی اصلاح اور معمولی نوعیت کی ترمیم کے ساتھ اس رپورٹ کو شائع کیا جا رہا ہے۔ جسے خبیب میاں نے رپورتاژ کے انداز میں تحریر کیا ہے (ادارہ)

ہمارے ایک فعال رفیق، حق نواز صاحب، جن کا تعلق خپلو (بلتستان) سے ہے کا گذشتہ دو سال سے یہ اصرار تھا کہ امیر تنظیم اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بلتستان کے دورے کے لئے وقت نکالیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب اپنی معروفیات کے باعث وقت نکال نہیں پا رہے تھے۔ اس سال کے اوائل میں بلتستان سے مولانا عبدالرشید صاحب، جو وہاں کے بہت اہم سیاسی رہنما ہیں، اور مولانا سعدی صاحب، جو وہاں کے معروف عالم دین ہیں اور ہمارے رفیق حق نواز صاحب کے سگے چچا ہیں، تشریف لائے تھے، ان حضرات کا بھی پر زور اصرار تھا کہ ڈاکٹر صاحب بلتستان کے لئے وقت ضرور نکالیں چنانچہ آپ نے ماہ جولائی میں بلتستان کے دورے کا وعدہ کر لیا — فروری میں حق نواز کی

بلتستان واپسی ہوئی اور وہ اُسی وقت سے ڈاکٹر صاحب کے دورۂ بلتستان کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔ اُس وقت خیال یہ تھا کہ یہ دورہ رمضان المبارک کے بعد عمل میں آئے گا۔ لیکن بعد میں ڈاکٹر صاحب کی دیگر مصروفیات کے پیش نظر یہ خیال آیا کہ یہ دورہ جون ہی میں ہو جانا چاہیئے۔ چنانچہ حق نواز صاحب سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا گیا جس کے نتیجے میں ۱۰ تا ۱۹ جون کی تاریخیں دورے کے لئے طے پا گئیں۔

۹ جون کو ۴ بجے شام ہم لوگ بلتستان جانے کے لئے لاہور سے بذریعہ ویگن راولپنڈی کے لئے روانہ ہوئے۔ عاطف وحید جو ڈاکٹر صاحب کے سجھلے بیٹے اور علاء الدین صاحب جو تنظیم کے ایک فعال کارکن اور نشر القرآن کیسٹ سیریز کے انچارج ہیں، راقم کے شریک سفر تھے۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب پہلے ہی بذریعہ ہوائی جہاز پنڈی تشریف لے جا چکے تھے کیونکہ پنڈی۔ اسلام آباد میں کئی جگہ ان کے درس قرآن کے پروگرام تھے۔ ہم رات کو دس بجے پنڈی میں اپنے مستقر سوان کیمپ، پہنچے۔ ڈاکٹر صاحب بھی رات ایک بجے حویلیاں میں تقریر سے فارغ ہو کر یہاں پہنچ گئے۔ یہاں سے ہمیں بلتستان جانے کے لئے صبح ۴½ بجے اسلام آباد ائرپورٹ پہنچنا تھا۔

بلتستان پاکستان کے انتہائی شمالی پہاڑی سلسلوں میں واقع ہے۔ یہ نہایت اہم فوجی اہمیت کا حامل سرحدی علاقہ ہے۔ اس کی سرحد بھارت کے علاقے لداخ سے براہ راست ملتی ہے اُس کے علاوہ چین سے بھی سرحد ملتی ہے۔ کسی زمانے میں چین سے آمد و رفت کے پیدل راستے موجود تھے جو اب برف کی وجہ سے ختم ہو چکے ہیں۔ بلتستان سلسلۂ قراقرم (THE MIGHTY KORAKORAMS) کے دامن میں واقع ہے۔ چنانچہ دنیا کی دوسری بلند ترین چوٹی K2 بلتستان ہی میں واقع ہے K2 کی بلندی ۸۶۰۰ میٹر سے بھی زائد ہے۔ اسکردو یہاں کا صدر مقام ہے۔ یہاں ائرپورٹ کی سہولت موجود ہے پاکستان کے دوسرے علاقوں سے یہاں آمد و رفت کا بڑا ذریعہ ہوائی جہاز ہی ہے۔ سڑک کا راستہ بھی اگرچہ موجود ہے لیکن بہت طویل اور

دشوار گزار ہونے کے باعث اس راستے کو کم ہی لوگ اختیار کرتے ہیں - ذرائع آمد و رفت چونکہ محدود ہیں اس لئے یہ علاقہ بہت ہی پسماندہ ہے - تاہم جس طرح دورِ جدید کی نت نئی اختراعات اور سہولتیں وہاں موجود نہیں ہیں اسی طرح دورِ جدید کی مختلف النوع قباحتیں اور پیچیدگیاں بھی وہاں موجود نہیں ہیں - اس پہلو سے وہ علاقہ بہت قابلِ قدر ہے -

بلتستان آب و ہوا کے لحاظ سے سرد خشک ہے - یہاں کی سیاست مذاہب کے گرد گھومتی ہے بڑے فرقے تین ہیں - اکثریت شیعہ حضرات کی ہے - کل آبادی کا تقریبًا ۵۰ فیصد شیعہ، ۴۰ فیصد نوربخشیہ اور ۱۰ فیصد اہلِ سنت اور اہلِ حدیث حضرات پر مشتمل ہے - مؤخر الذکر ۱۰ فیصد میں اہلحدیث حضرات کی کثرت ہے - مذہب نوربخشیہ کو اگر ایک سلسلۂ تصوف قرار دیا جائے تو غلط نہ ہوگا - یہ مذہب دراصل ایک صوفی بزرگ حضرت سیّد محمد نوربخش رح کے نام نامی سے منسوب ہے - یہ بزرگ امیر کبیر سیّد علی ہمدانی کے خلیفہ تھے - ان سے قبل بلتستان میں بدھ مت کا دور دورہ تھا - انہی کی تبلیغی مساعی سے یہ خطہ نورِ اسلام سے منور ہوا -

۱۰ جون بروز جمعرات ——— حسب پروگرام علی الصبح ۵ بجے ہم لوگ ائرپورٹ پہنچ گئے - جہاز نے ٹھیک وقت پر یعنی ساڑھے پانچ بجے TAKE OFF کیا - برف پوش پہاڑوں سے ہوتا ہوا اور کہیں پہاڑی سلسلوں کے درمیان سے ہوتا ہوا ہمارا جہاز ٹھیک پونے سات بجے اسکردو ائرپورٹ پہنچا - یہاں غیر متوقع طور پر ڈاکٹر صاحب کا بہت ہی شاندار استقبال کیا گیا - ائرپورٹ پر سینکڑوں لوگ موجود تھے - جن کے نعروں سے فضا گونج رہی تھی - ائرپورٹ پر مولانا عبدالرشید صاحب، جناب بہادر علی سالک صاحب اور حق نواز صاحب نے ہمیں خوش آمدید کہا - اور ہوائی اڈے پر استقبال کے لئے موجود معززین شہر سے ڈاکٹر صاحب کا تعارف کرایا - ان معززین میں S.D.M. جناب غلام نبی صاحب، ناردرن ایریا کے کونسلر جناب غلام علی حیدری صاحب، سابق کونسلر جناب سیّد علی

کاظمی صاحب اور نوربخشیہ کے جید عالم دین مولانا عبداللہ صاحب شامل تھے۔ ائرپورٹ سے نکلے تو دو رویہ کھڑے ہوئے عوام اور طلباء نے امیر محترم پر گلاب کے پھول نچھاور کئے اور فضا نعرۂ تکبیر۔ اللہ اکبر، اسلام زندہ باد اور مفسّر قرآن زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی — امیر محترم کو جیپوں اور موٹر سائیکلوں کے تقریباً ایک کلومیٹر لمبے جلوس کی شکل میں ائرپورٹ سے اسکردو ڈویژن لے جایا گیا۔ جلوس کی قیادت سید صابر علی شاہ صاحب اور کریم بخش صاحب ایڈووکیٹ کر رہے تھے، ۱۴ کلومیٹر کا یہ سفر ایک گھنٹے میں طے ہوا۔ جلوس میں شریک نوجوانوں کا جوش و خروش قابل دید تھا اور فضا نعروں سے گونج رہی تھی۔

قیام کا بندوبست سٹلائٹ ٹاؤن میں مولوی حسن صاحب کے گھر پر تھا۔ قیام گاہ پہ ڈاکٹر صاحب نے ان معززین شہر کا شکریہ ادا کیا جو استقبال کے لئے ائرپورٹ پر موجود تھے اور یہاں تک ہمارے ساتھ تھے۔ ان حضرات کے جانے کے بعد ہم نے ناشتہ کیا اور کچھ دیر آرام کی غرض سے لیٹ گئے۔ آج کے پروگرام میں عصر کی نماز کے بعد اسلامی لائبریری کا افتتاح اور بعد نماز مغرب سیٹلائٹ ٹاؤن کی مسجد میں درس قرآن شامل تھا۔ ظہر سے عصر تک ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ جامع مسجد میں نماز عصر ادا کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے مسجد سے متصل اسلامی لائبریری کا افتتاح کیا۔ لائبریری انجمن نوجوانان اہل سُنّت والجماعت کے زیر اہتمام قائم کی گئی تھی یہاں علم کی اہمیت کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب کا آدھ گھنٹے کا مختصر خطاب ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتابوں کا ایک سیٹ بھی لائبریری کے لئے بطور ہدیہ دیا۔

شام کو ریڈیو اسکردو نے ائرپورٹ کی تقریبات کی تفصیلی رپورٹ نشر کی۔ مزید براں ۱۲ر جون تک کا طے شدہ پروگرام اُردو اور بلتی زبان میں نشر کیا اور اس بات کا اعلان بھی کیا کہ ۱۰ر جون کی شام کی لائبریری والی مکمل تقریر ریڈیو پاکستان اسکردو نشر کرے گا — بعد نماز مغرب سیٹلائٹ ٹاؤن کی مسجد میں درس قرآن ہوا جس میں اعلیٰ سرکاری اور سول ملازمین کے علاوہ نوربخشیہ اور شیعہ نوجوانوں کی ایک بڑی

تعداد نے بھی شرکت کی رات کے کھانے کے بعد امامیہ اسٹوڈنٹ آرگنائزیشن کے نورکنی وفد نے امیر محترم سے ملاقات کی اور آپ کی بلتستان تشریف آوری پر مسرت کا اظہار کیا اور افہام وتفہیم کے انداز میں کچھ گفتگو ہوئی جس کے بعد یہ نشست اپنے اختتام کو پہنچی۔

۱۱ر جون بروز جمعہ آج صبح سد پارہ جھیل دیکھنے کا پروگرام تھا لیکن معلوم ہوا کہ بلتستان کے ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جناب بریگیڈیر حامد جمیل صاحب اور میجر حامد نواز صاحب ملاقات کے لئے تشریف لائیں گے۔ اس کے علاوہ نوربخشیہ کے معززین کے ایک وفد نے ملاقات کے لئے صبح کا وقت طے کیا ہوا تھا اس لئے ڈاکٹر صاحب نے سد پارہ جھیل دیکھنے کا پروگرام ملتوی کردیا میجر حامد نواز صاحب حسب پروگرام ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے اور جناب حامد جمیل صاحب کی طرف سے معذرت کی کہ کسی ضروری مصروفیت کے باعث تشریف نہ لاسکے۔ میجر صاحب نے بتایا کہ بریگیڈیر حامد جمیل صاحب کی خواہش ہے کہ ڈاکٹر صاحب کم از کم تین دن فوجی افسروں اور فوجی جوانوں سے خطاب کے لئے مخصوص رکھیں چنانچہ ۱۶ر، ۱۷ر اور ۱۸ر جون کی تاریخیں اس کام کے لئے مخصوص کردی گئیں:۔

اس کے بعد نوربخشیہ مذہب کے ایک وفد نے اپنے ممتاز عالم دین مولانا عبداللہ صاحب، سابق کونسلر سید علی کاظمی صاحب اور موجودہ کونسلر جناب غلام علی حیدری صاحب کی قیادت میں ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی، انکے علاوہ اہلحدیث حضرات کے ایک وفد نے مولانا عبدالرؤف صاحب اور جناب عبدالکریم بلغاری صاحب اور مولانا حسن عسکری صاحب کی معیت میں آپ سے ملاقات کی۔ اس کے بعد امیر محترم نے کچھ آرام کرنا چاہا لیکن ملاقات کے لئے آنے والے لوگوں کی وجہ سے آپ تسلسل کے ساتھ آرام نہ کرسکے، دوپہر کا کھانا ہم نے ۱۲ بجے ہی کھالیا کیونکہ ڈاکٹر صاحب کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھا کر وہیں سے خپلو کے لئے روانہ ہونا تھا چنانچہ ساڑھے بارہ بجے ہم یہاں سے جامع مسجد کے لئے روانہ ہوئے۔ پونے ایک بجے امیر محترم کی جامع مسجد میں تقریر شروع ہوئی تقریر کا موضوع تھا "حکمت واحکام جمعہ، سورۃ جمعہ کی روشنی میں" مسجد میں جگہ کم پڑنے کے باعث گلیوں میں صفیں

بچھا کر نماز جمعہ کا اہتمام کیا گیا بقول حق نواز صاحب حاضری یہاں عیدین کی نماز سے بھی بڑھ کر تھی،

نماز جمعہ سے فارغ ہوئے تو معززین شہر کی ایک بڑی تعداد نے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی جن میں ڈپٹی کمشنر بلتستان، جناب محمد شریف صاحب بھی شامل تھے۔ ملاقات سے فارغ ہونے کے بعد ٹھیک ۳ بجے ہم یہاں سے ۳ جیپوں میں خپلو کے لئے روانہ ہوئے۔ ہماری پہلی منزل اسکردو سے ۹۰ کلومیٹر دُور اور خپلو سے ۱۰ کلومیٹر پہلے براہ (شہر) تھی۔ SDM جناب غلام نبی صاحب، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سکردو جناب شوکت رشید صاحب، DFO جناب عبدالقیوم صاحب اور ان کے ساتھی الوداع کہنے کے لئے گول (شہر) تک آئے جو کہ اسکردو سے ۳۰ کلومیٹر باہر ہے۔ یہاں ایک چھوٹے سے ہوٹل میں قہوہ پینے کے بعد ہم آگے روانہ ہوئے۔ اسکردو سے براہ تک راستے میں جتنی بھی آبادیاں آئیں ہر جگہ امیر محترم کا شاندار استقبال کیا گیا چونکہ پروگرام پہلے سے طے شدہ تھا اور ریڈیو اسکردو نے اُسے نشر بھی کیا تھا نتیجتہً ڈاکٹر صاحب کا تفصیلی پروگرام مقامی لوگوں کے علم میں آچکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر جگہ مقامی لوگوں نے اپنے طور پر ڈاکٹر صاحب کے استقبال کی تیاریاں کی ہوئی تھیں۔ چنانچہ 'گول' سے روانہ ہو کر جب ہم دارالعلوم غواڑی پہنچے تو متذکرہ بالا صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا۔ دارالعلوم[1] کے علماء نے ہمارا خیر مقدم کیا۔ یہاں ڈاکٹر صاحب نے مدرسے کا معائنہ کیا اور نمازِ عصر ادا کی۔ پُر تکلف عصرانے کا اہتمام ان لوگوں نے پہلے ہی سے کیا ہوا تھا۔ یہاں RECEPTION BOOK میں امیر محترم نے اپنے تاثرات قلمبند کئے جس کے بعد ہم وہاں سے رخصت ہوئے — براہ سے ۱۸ کلومیٹر پہلے کھرپیق برج (KHURPAQ BRIDGE) پر خوش آمدید کہنے کے لئے خپلو کے قائم مقام DSP جناب یوسف صحرائی صاحب اور ڈی ایس پی جناب حشمت اللہ صاحب تشریف لائے ہوئے تھے اب ہمارا قافلہ تین کی بجائے چار جیپوں پر مشتمل تھا۔

---

[1] اہلِ حدیث حضرات کا یہ دارالعلوم بلتستان کے تمام دینی مدارس میں سب سے بڑا ہے۔ یہاں آخری درجے تک دینی تعلیم دی جاتی ہے۔

براہ پہنچے تو مغرب کا وقت ہو چکا تھا - دور ہی سے استقبالیہ گیٹ پر عوام کا ہجوم نظر آیا - ڈاکٹر صاحب کی جیپ جیسے ہی استقبالیہ گیٹ کے نزدیک پہنچی تو سڑک کے دونوں اطراف عوام کے ہجوم نے نعروں کی گونج میں استقبال کیا - چونکہ مغرب کی جماعت ہو چکی تھی اس لئے ہم نے مغرب کی نماز جماعت ثانی کی صورت میں مدرسہ جامعہ صدیقیہ حنفیہ میں ادا کی - یہ مدرسہ بلتستان میں اہلسنت کا سب سے بڑا مرکز ہے - آج رات ہمارے قیام کا انتظام بھی یہیں کیا گیا تھا - مغرب سے عشاء تک ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا - نماز عشاء کے بعد ڈاکٹر صاحب نے وہیں مسجد میں سورۃ العصر کا درس دیا — درس کے بعد جب مدرسے پہنچے تو خپلو سے آئے ہوئے نوربخشیہ عوام کے ایک وفد نے اپنے چیئرمین ریٹائرڈ صوبیدار جناب محمد علی صاحب کی قیادت میں امیر محترم سے ملاقات کی - حق نواز صاحب کا چھوٹا بھائی احسان علی بھی وفد میں شامل تھا - اس طرح رات کوئی ساڑھے گیارہ بجے کے قریب ہم لوگوں کو سونے کا موقع ملا -

۱۲ جون بروز ہفتہ بعد نماز فجر جامع مسجد براہ میں ڈاکٹر صاحب نے مختصر درس قرآن دیا — تقریباً ۸ بجے ناشتے سے فارغ ہو کر مدرسے کے معائنے کے لئے گئے - مدرسے کے صدر مدرس جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب نے مدرسے کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کو تفصیلات سے آگاہ کیا - اس کے بعد جب ہم خپلو جانے کے لئے مدرسے سے نکلے تو باہر عوام کے ایک ہجوم کو اپنا منتظر پایا - ان میں نوربخشیہ عوام کی اکثریت تھی - اُن کی خواہش تھی کہ ڈاکٹر صاحب اُن کے مدرسے کا بھی معائنہ کریں - اُن کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب اُن کے مدرسے تشریف لے گئے - اور وہاں کے عوام کے دین سے لگاؤ اور تعلق پر اطمینان کا اظہار کیا - مزید برآں اپنی کتابوں کا ایک سیٹ بھی مدرسے کی لائبریری کے لئے دیا — اس کے بعد ہم "ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا" کے مصداق اپنی منزل یعنی خپلو کی طرف روانہ ہو گئے - خپلو یہاں سے صرف ۱۰ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا -

راستے میں حسب سابق دو مزید مقامات پر استقبال کرنے والوں نے ہمیں کچھ دیر رکنے پر مجبور کیا - ڈاکٹر صاحب نے ہر دو جگہ جیپ سے اتر کر عوام سے ملاقات کی -

خپلو سے کچھ پہلے ٹراؤٹ مچھلی کا فارم ہے۔ یہ فارم بھی دیکھنے کا ہمیں موقع ملا۔ براہ شہر کی طرح خپلو کے عوام بھی استقبالیہ گیٹ پر جمع نظر آئے۔ بلکہ یہاں معاملہ دو چند تھا۔ شہر میں جا بجا استقبالیہ گیٹ بنائے گئے تھے، نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کی گونج میں یہاں کے عوام نے امیر محترم کا استقبال کیا۔ ذرا آگے بڑھے تو ڈی ایس پی خپلو جناب حشمت اللہ صاحب نے اپنے مکمل سٹاف (باوردی) کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کو خوش آمدید کہا۔ یہاں سے SDM ہاؤس (جہاں ہمارے قیام کا انتظام تھا) تک کا ۴ فرلانگ کا فاصلہ پیدل ہی طے کرنا پڑا کیونکہ عوام کا ایک ہجوم تھا جو نعرے لگاتا ہوا ساتھ چل رہا تھا ــــ SDM ہاؤس میں بہت سے معززین شہر نے ڈاکٹر صاحب سے ملاقاتیں کی ــــ ساڑھے دس بجے ہم خپلو ہائی اسکول کے لئے روانہ ہوئے جہاں ڈاکٹر صاحب کو جلسۂ عام سے خطاب کرنا تھا بازار پہنچے تو استقبالیہ گیٹ کے قریب عوام کے ایک انبوہ کو ہمارے استقبال کے لئے اپنا منتظر پایا۔ معلوم ہوا کہ یہ نوربخشیہ عوام ہیں جو اپنے لیڈر جناب بدیع الزمان صاحب کی قیادت میں ڈاکٹر صاحب کے استقبال کے لئے جمع ہیں۔ اسکول اوپر چڑھائی پر واقع تھا۔ عوام کا ایک ہجوم چونکہ ساتھ اس لئے یہ فاصلہ پیدل طے کیا گیا۔

ڈاکٹر صاحب کے لئے بلتستان میں کسی جلسۂ عام سے خطاب کا یہ پہلا موقع تھا۔ تینوں فرقوں کے علماء، اسکول کے طلباء و اساتذہ اور عوام کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ خواتین بھی بڑی تعداد میں تقریر سننے کے لئے یہاں موجود تھیں۔ اسلام اور پاکستان کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب نے مفصل تقریر کی جو تقریباً ڈیڑھ گھنٹے پر محیط تھی۔ اس تقریر نے تمام حاضرین اور خصوصاً علماء کو بہت متاثر کیا۔ نوربخشیہ کے جید عالم دین جناب عبداللہ صاحب اور شیعہ فرقے کے ممتاز عالم جناب سید علی صاحب نے آخر میں اپنے تاثرات بھی پیش کئے اور اس بات کی شہادت دی کہ واقعتہً ڈاکٹر صاحب کی تقریر میں ہمیں کہیں فرقہ واریت کی جھلک نظر نہیں آئی[1] ــــ نماز ظہر ایک بجے جامع مسجد اہل سنت، خپلو میں ادا کرنے کے بعد ہم واپس اپنے مستقر یعنی SDM

---

[1] ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا خلاصہ اور علماء کے تاثرات کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں اس سفر کی دوسری اور آخری قسط کے ساتھ پیش کر دی جائے گی۔

ہاؤس آگئے جہاں بڑے پیمانے پر ظہرانے کا اہتمام کیا گیا تھا - اس ظہرانے میں راجہ صاحب خیلو جناب فتح علی خان معززین شہر اور فوجی افسران کے علاوہ تقریباً ۲۰۰ افراد بھی شریک تھے - تین بجے تک ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا - پیون (شہر) سے میجر معین صاحب، کیپٹن آفریدی صاحب اور دوسرے افسران خاص طور پر ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے - بعد ازاں عصر تک آرام کیا - رات کے کھانے پر ہمیں حق نواز صاحب نے اپنے ہاں مدعو کیا تھا چنانچہ نماز عصر کے بعد ہم اُن کے گھر چلے آئے - وہاں امیر محترم کی ملاقات حق نواز صاحب کے والد صاحب سے ہوئی جو وہاں کے معروف شیعہ علماء میں سے ہیں[1] نماز مغرب کے بعد کھانا کھایا گیا - پھر قہوے کا دور چلا جس کے دوران گفتگو اور بات چیت کا سلسلہ جاری رہا - ڈاکٹر صاحب نے حق نواز صاحب کو جو اسکردو ائرپورٹ سے یہاں تک سائے کی طرح مسلسل ہمارے ساتھ ہے آج زبردستی اپنے گھر ٹھہرنے پر مجبور کیا جسے انہوں نے بالاکراہ قبول کیا -

۱۳ جون بروز اتوار آج ناشتے پر ہم نوربخشی حضرات کے پیر طریقت جناب سید عون علی صاحب کے ہاں مدعو تھے سید صاحب کل ہاؤس کے ظہرانے میں شریک تھے اور وہیں ڈاکٹر صاحب کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دے گئے تھے - ناشتے کے بعد گفتگو ہوتی رہی - دوران گفتگو یہ بات ہمارے علم میں آئی کہ خپلو پہلے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر تھا اور ضلع گانچھے کے نام سے موسوم تھا 'گول' سے اوپر 'جھورپٹ' تک کا تمام علاقہ ایک ضلع کے ماتحت تھا اور بھٹو کے دور حکومت میں اسے ضلعی حیثیت دی گئی تھی لیکن موجودہ حکومت نے یہ قدم واپس لے کر اسکی یہ حیثیت ختم کر دی - یہاں کے عوام کا یہ مطالبہ تھا کہ اسکی ضلعی حیثیت کو دوبارہ بحال کیا جائے - اس سلسلے میں مختلف مکتب فکر کے رہنماؤں نے ڈاکٹر

---

[1] واضح رہے کہ حق نواز صاحب کا تعلق اصلاً شیعہ خاندان سے ہے - اُن کے خاندان میں سب سے پہلے اُن کے چچا جناب محمد سعدی صاحب نے اہل سُنت کے عقائد کو اپنایا - سعدی صاحب ایک درویش صفت عالم دین ہیں - اور جمعیت علمائے اسلام سے وابستہ ہیں - بعد ازاں اُنہی کے نقش قدم پر حق نواز صاحب بھی اہل سُنت کی صف میں شامل ہو گئے -

صاحب سے ملاقاتیں بھی کیں - ڈاکٹر صاحب نے اُن پر واضح کیا کہ وہ کوئی معروف معنوں میں سیاست دان نہیں ہیں تاہم وہ ان شاءاللہ کوشش کریں گے کہ ان لوگوں کا یہ جائز مطالبہ کسی طور صدر مملکت تک پہنچا دیا جائے -

سیدعون علی صاحب کے ہاں سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ تین جیپوں کے ایک قافلے کی صورت میں چھورپٹ اور تھونگموس کے لئے روانہ ہوئے - فاصلہ تقریباً ۴۰ کلومیٹر تھا - ۱۱ بجے ہم پیون پہنچے - یہ ملڑی ہیڈ کوارٹر ہے - گذشتہ روز میجر معین صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو تاکیدی دعوت دی تھی کہ چھورپٹ جاتے ہوئے ۱۰ منٹ پیون میں بھی ضرور رُکیں - میجر صاحب نے چائے وغیرہ کا اہتمام کیا ہوا تھا - چائے سے فارغ ہو کر تقریباً پونے بارہ بجے ہم دوبارہ عازم سفر ہوئے - روانگی سے قبل یہ طے ہوا کہ واپسی پر میجر معین صاحب ہم لوگوں کو پاک انڈیا بارڈر دکھائیں گے - جو پیون سے صرف دس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا - اس بارڈر کو ملڑی کی اصطلاح میں "اسلام" کہا جاتا ہے ـــــ آدھ گھنٹے میں ہم سکسہ پہنچ گئے - وہاں ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر عبداللہ اصلاحی صاحب اور بہت سے دوسرے حضرات استقبال کے لئے موجود تھے - ڈاکٹر صاحب نے اسکول میں طلبا اور اساتذہ سے مختصر خطاب کیا جس کے بعد ہیڈ ماسٹر صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی تشریف آوری پر ان کا شکریہ ادا کیا چائے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ہمارا قافلہ تھونگموس جانے کے لئے پیدل دریا کی طرف روانہ ہوا - اس مقام پر چونکہ دریا پر کوئی پُل نہیں ہے اس لئے دریا کو 'گراڑی' کے ذریعے پار کیا جاتا ہے - گراڑی ایک قسم کی چیئر لفٹ (CHAIR LIFT) ہوتی ہے جسے ہاتھ سے کھینچا جاتا ہے - گراڑی کے ذریعے دریا پار کرنا خاصا دل گردے کا کام ہے پہاڑی مقامات پر چونکہ دریا کا بہاؤ بہت تیز ہوتا ہے اس لئے رسیوں سے لٹکتی ہوئی کرسی جب دریا کے وسط میں پہنچتی ہے تو نیچے شور مچاتے دریا کو دیکھ کر اچھے بھلوں کی سٹی گم ہو جاتی ہے - تاہم 'منگ آمد بجنگ آمد' کے مصداق یہ مہم سر کی - دریا کے دوسرے کنارے پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابھی ایک اور مشکل مرحلہ باقی ہے اور وہ یہ کہ آگے چار میل کا دشوار گزار پہاڑی سفر گھوڑوں کے ذریعے طے کرنا ہے - گھڑسواری بجائے خود ایک کٹھن کام ہے اس پر مستزاد یہ کہ پہاڑی سفر! کہیں چڑھائی ہے تو کہیں نشیب! خصوصاً اس

پروفیسر مرزا محمد منوّر

"کہ رہوار یقینِ ما بہ صحرائے گماں گم شُد"

پروفیسر مرزا محمد منوّر پاکستان کی ایک معروف علمی وادبی شخصیت ہیں - آج سے تقریباً سولہ سال قبل جب راقم الحروف کی اُن سے پہلی ملاقات ہوئی تو راقم کا تاثر یہ تھا کہ بہت عرصے کے بعد ایک 'خالص' اور 'مخلص' مسلم لیگی سے ملنا ہوا ہے ـــــ تحریک پاکستان کا فدائی اور مصوّرِ پاکستان علامہ اقبال اور بانی پاکستان محمد علی جناح کا شیدائی اگر اس دور میں دیکھنا ہو تو بس اُن سے مل لینا کافی ہے -

بایں ہمہ احیائے اسلام اور ملّتِ اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ کا جو خواب کبھی پاکستان کی صورت میں دیکھا تھا اس کی علمی تعبیر سے وقتاً فوقتاً مائوسی اور دل شکستگی سے بھی دوچار ہو جاتے ہیں ـــــ ذیل کی غزل ان کی اسی باطنی کیفیّت کی مظہر ہے - یہ 'میثاق' میں آج سے بارہ سال قبل اگست ۷۰ء میں شائع ہوئی تھی جسے اب پھر ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے ـــــ **اسرار احمد**

نوٹ: اس پر خود پروفیسر صاحب کا تعارفی نوٹ یہ تھا:

"غزل کا ذہنی پس منظر سیاسی ہے - برّعظیم تقسیم ہوا - بڑی نیک خواہشات کے ساتھ مسلم قوم نے تقسیم کی تحریک کے ساتھ تعاون کیا تھا - مگر بوجوہ نتائج حسبِ تمنّا برآمد نہ ہوئے، جب بھی کوئی بہتری کی صورت پیدا ہوتی ساتھ ہی ساتھ کوئی خرابی بھی در آتی اے کاش قائداعظم کی طرح کا کوئی "مردِ امین" پھر مل جاتا -" منوّر

میانِ کفر و ایماں عاشقاں را کارواں گُم شُد
نیامد خوش ہوائے کعبہ و کوئے بتاں گم شُد

نمی داریم غم گر ذوقِ اظہارِ بیاں گم شد
کہ ما فریاد ہا کردیم و در گوشِ گراں گم شد
نہ مارا رازداں باقی و نے رازِ نہاں باقی!
کہ رازِ ما بہر کس فاش کرد و رازداں گم شد!
ہمیں بودا ست عالم عزمِ کار و رنگِ ساماں را
کہ دستے بر خدنگ افتاد و از دستے کماں گم شد!
چہ دارد سعیِ ما سودے نمی یابیم مقصودے
کہ برگ و خس بیاوردیم و شاخِ آشیاں گم شد!
خنک روزے بود یا بیم اگر خضرِ ہدایت را
کہ رہوارِ یقینِ ما بہ صحرائے گماں گم شد!
ہماں آویختہ مانیم آں سوئے نہ ایں سوئے!
زمین از زیر پا بر رفت و از سر آسماں گم شد!
نگارِ آرزو شد نذرِ افکارِ پریشانم
"متاعِ کارواں اندر غبارِ کارواں گم شد!
بہ بخشائی گر انجانی بما بارِ دگر یارب!!!
زمامِ کارِ ما از دستِ ما آشفتگاں گم شد

بقیہ : بلتستان میں دس دن

وقت اپنے آپ کو گھوڑے کی پیٹھ پر جمانا بہت مشکل ہو جاتا ہے جب گھوڑا ترائی اترتا ہے - ایسے میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ اب لڑھکے اور اب گرے! - بعد میں معلوم ہوا کہ خود حق نواز صاحب کے علم میں نہیں تھا کہ یہاں یہ صورتِ حال پیش آئے گی - انہیں صرف اتنا بتایا گیا تھا کہ دریا سے آگے ۱۵ منٹ کی مسافت پر تھونگوس واقع ہے۔

(جاری ہے)

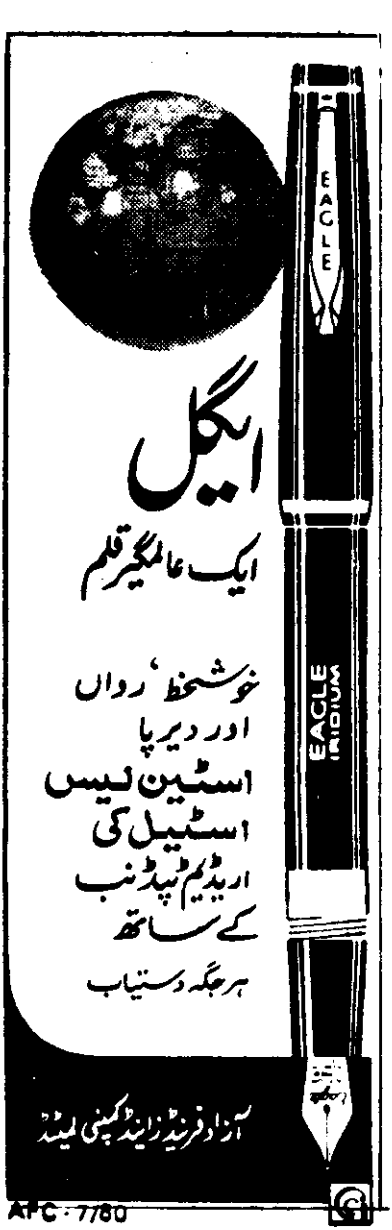

ایک فنّی و علمی کتاب
جس سے عام آدمی بھی استفادہ کر سکتا ہے

قلب

تالیف :

ڈاکٹر سید اسلم
ایم بی بی ایس (پنجاب)، ایم آر سی پی (ایڈنبرا)
ایسوسی ایٹ پروفیسر
نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیو ویسکلر ڈیزیز کراچی

شائع کردہ :
"منشوراتِ ابجد"
۴۰۸ - پنوراما سنٹر سمرسٹ اسٹریٹ
صدر، کراچی

THE ORIGINAL
Coca-Cola
Have a Coke and a smile.
"COCA-COLA" AND "COKE ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIFY
THE SAME PRODUCT OF THE COCA-COLA COMPANY.

paragon I

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ

سورۃ الاسراء الآیۃ ۸۲

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

نمبر ۳۰۱، لنڈا بازار، لاہور۔ ۳۰۶۴۲۸ / ۳۰۵۴۶۹

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶۰۳۱
۲۳۹۳۱

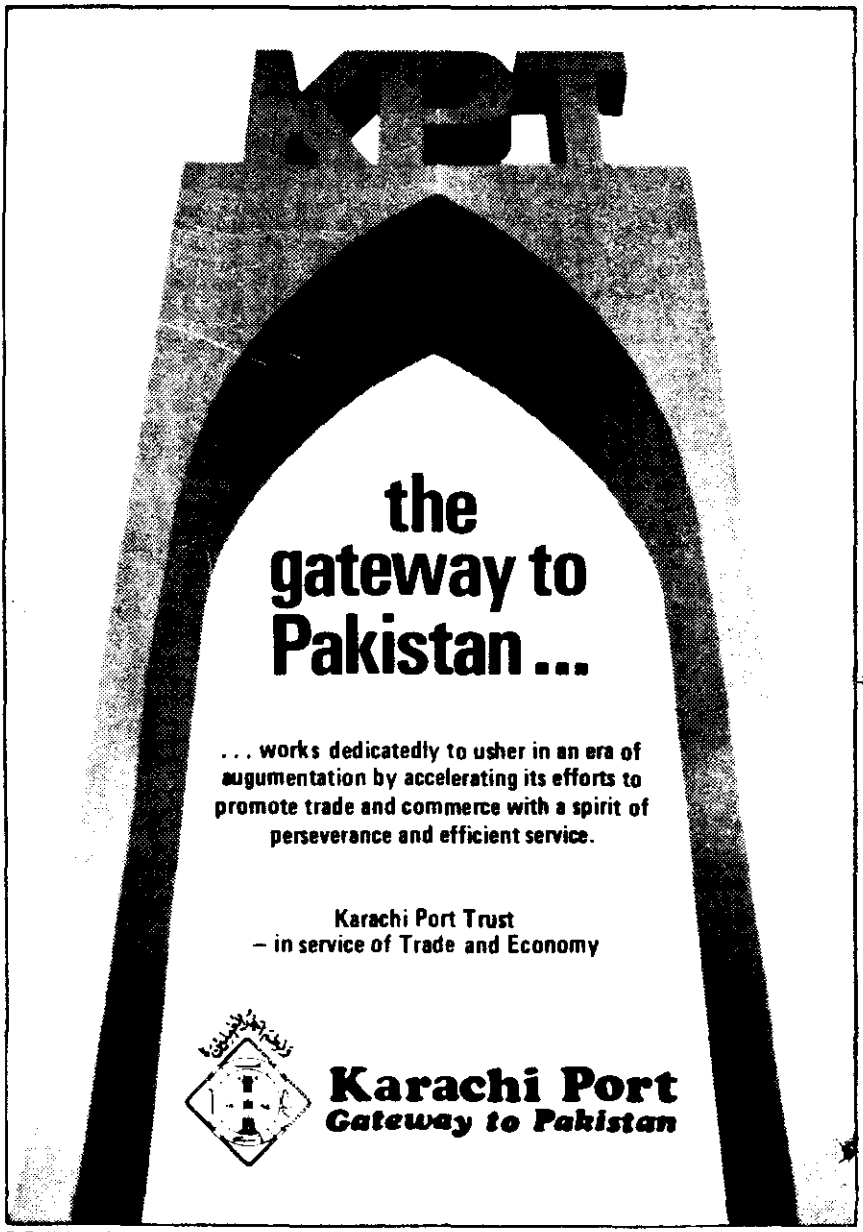

PID (Islamabad)

Paragon ● KPT-11-R

Regd. L No 7360

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol. 31 AUGUST 1982 No.8

قدرتی گیس کا ضیاع روکیئے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے

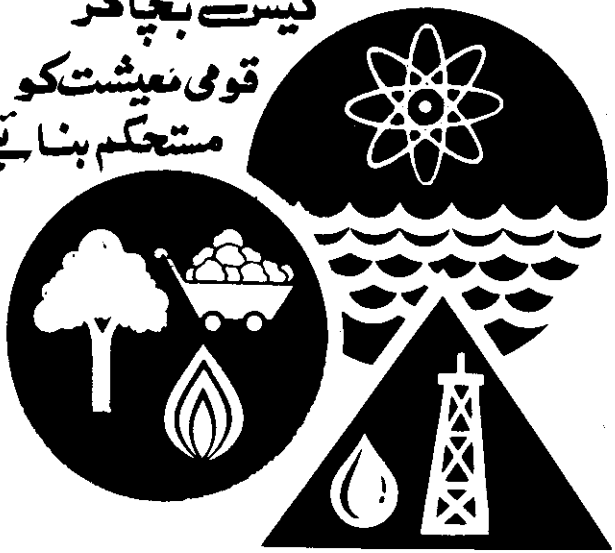

ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر زرمبادلہ صرف کر کے پوری کی جاتی ہیں۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی۔

قدرتی گیس بہت زیادہ قیمتی ہے،
اسے ضائع نہ کیجئے

سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ

SNGPL 4/80

paragon